



## ماہنامہ محدث لاہور

شمار نمبر: 13 جلد نمبر 2 شماره نمبر 2 فروری 1972ء ذوالحجہ 1391ھ

### ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبد الرحمن مدنی مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے۔ جس کا نام محدث

تھا کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور

حافظ عبد الرحمن مدنی نے اس کا اجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ 1970ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، واللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور  
محدثانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

### گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: 20 روپے زر سالانہ: 200 روپے بیرون ملک: 20 ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ 200 روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔

ایڈریس: ماہنامہ محدث، 99 جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون نمبر: 35866476 / 3586639 - 042

موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com \_\_\_\_\_ www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

## اجرائے محدث کے مقاصد

عناد اور تعصب قوم کیلئے زہرِ بلائیں کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دُقیانوسِ بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عینِ جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ  
محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فہرست

- 2 ..... حضرت شاہ نعمت اللہ صاحبؒ سے منسوب پیش گوئیوں کی حقیقت
- 5 ..... ارباب تعلیم اور اصحاب مدارس کے لئے لمحہ فکریہ!
- 6 ..... ذی الحجہ
- 7 ..... قربانی کے احکام و مسائل
- 18 ..... قربانی اور منکرین حدیث
- 21 ..... تعمیرِ انسانیت
- 24 ..... قومِ نوحؑ
- 30 ..... مدینہ منورہ
- 31 ..... چند عام کاروباری بیماریاں
- 34 ..... ”محدث“ معاصرین کی نظر میں
- 36 ..... بات جتنی سادہ ہے آپ نے اتنی بتنگڑ بنا دی

## فکر و نظر

### حضرت شاہ نعمت اللہ صاحب سے منسوب پیش گوئیوں کی حقیقت

سقوطِ مشرقی پاکستان اور جنگ بندی کے اعلان کے بعد عوام میں حضرت شاہ نعمت اللہ صاحب بخاری کی طرف منسوب فارسی زبان میں پیش گوئیوں کا بہت چرچا ہوا۔ مختلف جراند و رسائل اور ملک کے مشہور روزناموں نے ان کو با ترجمہ شائع کیا اور بازاروں میں بھی ان پیش گوئیوں کے پمفلٹ ہاتھوں ہاتھ بکے۔ اس طرح سے تاجروں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ ان پیش گوئیوں کے ساتھ ہی اس مہینہ کشف یا خواب کی توجیہ و تعبیر کا دروازہ بھی کھلا اور کچھ لوگوں نے جہاں سند اور وائیاں کی ثقاہت کی ضرورت محسوس کی وہاں بہت سے لوگ انہیں اخبارِ غیبی قرار دیتے ہوئے ان سے ماضی کی تطبیق اور مستقبل کے نقشے بھی وضع کرتے رہے۔

ہمارے نزدیک بزرگوں سے منسوب کرامات اور پیش گوئیوں میں پہلی چیز روایتاً و رایتاً ان کا ثابت شدہ ہونا ہے جس کے بعد ہی کسی توجیہ و تاویل کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ چنانچہ حال ہی میں ہفت روزہ ”چٹان“ لاہور نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۰ جنوری ۷۲ء میں جناب احسان قریشی صاحب صابری کا ایک مضمون بعنوان ”حقیقت حال کیا ہے؟“ شائع کیا ہے جس کو ہم بشکریہ ”چٹان“ قارئین ”محدث“ کی خدمت میں بلا تبصرہ پیش کر رہے ہیں۔ ہم اس سے قبل روانامہ ”مشرق“ لاہور کا ۲۱ دسمبر ۷۱ء کا وہ ادارتی نوٹ بھی مدیہ قارئین کرتے ہیں جو روزنامہ ”مشرق“ نے ان پیش گوئیوں کے شروع میں دیا ہے جس میں شاہ صاحب کے آباء و اجداد کے ہندوستان میں آنے کا ذکر ہے جبکہ شاہ صاحب کے آباء و اجداد کے ہندوستان میں آنے کا ذکر ہے جبکہ شاہ صاحب کے مشہور دیوان کے شروع میں ان کی سوانح عمری کے تذکرہ میں ان کی ہند میں آنے کی نفی ہے اور لکھا ہے کہ ان کے پوتے میر نور اللہ دکن آئے تھے وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ ”چٹان“ کے مضمون نگار نے ذکر کیا ہے۔

شاہ صاحب کی زندگی کے واقعات کے اس متضاد ذکر سے جو اضطراب پیدا ہوا ہے اس سے ان پیش گوئیوں کی اصلیت اور بھی مشکوک ہو جاتی

(ادارہ)

ہے۔

### حضرت شاہ نعمت اللہ کی پیش گوئیاں (روزنامہ ”مشرق“ لاہور)

”حضرت شاہ نعمت اللہ ولی مشہور صوفی اور درویش منش انسان تھے۔ ان کا اصل وطن بخارا تھا جہاں سے ان کی آباء و اجداد ہجرت کر کے سلطان محمد غوری کے عہد میں برصغیر پاک و ہند چلے آئے اور ہانسی میں سکونت اختیار کی۔ شاہ صاحب کے دادا سید مشرف نے مغل بادشاہ ہمایوں کے عہد میں منصب قضا قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ شاہ صاحب سن شعور کو نہ پہنچے تھے کہ ان کے والد سید عطاء اللہ وفات پا گئے۔ شاہ صاحب نے مغل بادشاہ جہانگیر یا شاہ جہاں کے عہد میں وفات پائی۔ نواب خان خانان، خان جہاں لودھی اور مہابت خاں کو ان سے بڑی عقیدت تھی اور وہ اکثر ان کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوتے تھے۔“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

شاہ نعمت اللہ نے آنے والے انقلاباتِ زمانہ پر تقریباً دو ہزار اشعار فارسی زبان میں لکھے جو حرف بحرف پورے ہوتے چلے گئے۔ عہدِ برطانیہ کے متعلق انہوں نے اپنے قصیدہ میں فرمایا تھا کہ نصاریٰ کی حکومت سو برس سے زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکے گی جس سے گھبرا کر لارڈ کرزن نے ان کے قصیدہ کی اشاعت پر پابندی لگا دی۔ جنگِ عظیم کے آغاز کے بعد پھر اس کی اشاعت ممنوع قرار دی گئی۔ ان کے قصیدہ کی اشاعت پر پابندی کے باوجود ان کے الہامی اشعار لوگوں کے دلوں میں محفوظ رہے۔ ذیل میں ان کے قصیدے کے وہ چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں جو عام طور پر تذکروں اور کتابوں میں محفوظ ہیں۔

روزنامہ ”مشرق“ میں اس نوٹ کے بعد تقریباً دو صد اشعار میں ان پیش گوئیوں کا ذکر ہے اور ہر شعر کے بعد اس کا (اردو) ترجمہ دیا گیا ہے جن کے مستند نہ ہونے کی بنا پر ان کا اندراج غیر اہم ہے۔ (ادارہ)

### حقیقتِ حال کیا ہے؟ (ہفت روزہ ”چٹان“ لاہور)

”تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی مسلمانوں پر ابتلاء اور مصائب کا کوئی دور آیا تو کسی نہ کسی اہل قلم نے شاہ نعمت اللہؒ کی قصیدہ ترمیم کے ساتھ شائع کر دیا تاکہ انہیں تسلی اور تشفی ہو۔ بجائے اس کے کہ ہم زوال اور کسبت کے اصل اسباب قرآن و سنت کی روشنی میں تلاش کریں، اور اپنا اور اپنی قوم کا انفرادی اور اجتماعی جائزہ لیں اور ان اسباب کا ازالہ کریں۔ نیز اپنی عملی قوتوں کو بروئے کار لا کر نامساعد حالات کا مردانہ وار مقابلہ کریں۔ ہمیں اس کی معرفت اور ان پیش گوئیوں کے پیش نظر خوش آئندہ توقعات قائم کرنا پڑتی ہیں۔

سب سے پہلے یہ قصیدہ ۱۸۵۷ء کے ابتلاء کے بعد شائع ہوا تھا۔ دوسری بار چند ترمیم کے ساتھ پہلی جنگِ عظیم ختم ہونے کے بعد کسی صاحب نے شائع کر دیا، جس میں سلطانِ ترکی کی یلغار اور خلافتِ عثمانیہ کی نشاۃ ثانیہ کے متعلق پیشین گوئیاں موجود تھیں۔ تیسری بار یہ قصیدہ ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا تھا۔ جب بھارت نے حیدر آباد دکن پر حملہ کیا تھا اس میں چند ایسے اشعار بھی درج تھے، جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ سلطنتِ آصفیہ کا جھنڈا لال قلعہ دہلی پر عنقریب لہرائے گا۔ چوتھی بار یہ قصیدہ اب موجودہ دورِ ابتلاء میں شائع ہوا ہے تاکہ ہم اپنی کوتاہیوں بد اعمالیوں اور سہل کو شیوں کا جائزہ لیے بغیر پیشین گوئیوں کے سہارے خوش آئندہ توقعات قائم کرتے رہیں اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں، حالانکہ ہمارے ابتلاء کے اسباب خود ہمارے پیدا کردہ ہیں۔ حق تعالیٰ نے ہمیں ۱۹۳۸ء میں ایک وسیع و عریض ملک اپنے فضل و کرم سے بطور انعام عطا کیا تھا۔ قرآن حکیم کی آیات کے مطابق عادتِ الہی یہ رہی ہے کہ انعام کا شکر ادا کیا جائے تو نعمت میں زیادتی ہوتی رہتی ہے اور اگر ناشکری کی جائے اور مسلمان بد اعمالیوں میں مبتلا ہو جائیں تو حق تعالیٰ ناراض ہو کر تھوڑی بہت سزا نہیں دے دیا ہے۔ ہمارے لئے اس انعام کے شکر کی صورت یہی تھی کہ ہم اپنی زندگیاں منشاءِ الہی کے مطابق ڈھالتے۔ اپنا نظامِ سلطنت اس فرمان کے مطابق بناتے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی روایات قائم کرتے۔ اس کے بجائے ہم نے جو کچھ کیا وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا انعام کسی قوم سے اس وقت تک واپس نہیں لیتا جب تک وہ قوم خود اس کا استحقاق نہ گنوا دے۔ جو کچھ ہم نے بویا ہے وہی ہم کاٹ رہے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

## حضرت شاہ نعمت اللہ سے منسوب پیش گوئیاں

شاہ نعمت اللہ ولی گمانام گرامی نور الدین سید شاہ نعمت اللہ ولیؒ ہے۔ ان کا دیوان برٹش میوزیم لندن رائل ایشیائک سوسائٹی لائبریری لندن اور پبلک لائبریری بانکی پور میں موجود ہے۔ ہجری ۱۲۷۶ھ میں طہران (ایران) کے ایک بک سیلر نے بھی یہ دیوان جو تمام کا تمام فارسی زبان میں ہے، شائع کیا تھا۔ یہ قصیدہ جواب اخبارات میں شائع ہوا ہے اس دیوان میں کہیں موجود نہیں ہے۔ نیز شاہ صاحب کے حالات زندگی عام فارسی تذکروں مثلاً مجمع الفصحاء، مراۃ الاسرار، ریاض الشعراء، تذکرہ دولت شاہ سمرقندی، اخبار الاخبار، خزینۃ الاصفیاء مرتہ مفتی غلام سرور لاہور، تذکرۃ الکرام اور تاریخ فرشتہ میں پائے جاتے ہیں۔ برٹش میوزیم لندن میں جو نسخہ دیوان شاہ نعمت اللہ ولیؒ ہے وہ ۱۹۳۹ء میں پٹنہ کے کسی پریس کا شائع شدہ ہے۔ نیز طہران، (ایران) والا نسخہ رائل ایشیائک سوسائٹی لندن کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ (۱۲۷۶ھ) اس دیوان میں مناقب شاہ نعمت اللہ ولیؒ کے عنوان سے شاہ صاحب کی مختصر سی سوانح عمری بھی درج ہے۔ اس کے مطابق شاہ نعمت اللہ ولیؒ کبھی برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے اور نہ ہی ان کا مزار بھارت یا پاکستان میں کہیں موجود ہے۔ البتہ ان کی اولاد سلطان احمد شاہ بہمنی کی دعوت پر ہند میں آئی تھی۔

شاہ نعمت اللہ ولیؒ ۷۳۰ھ میں حلب میں پیدا ہوئے، عراق میں نشوونما پائی۔ ۲۴ سال کی عمر میں مکہ معظمہ گئے یہاں سات سال قیام پذیر رہے اور شیخ عبداللہ یافعیؒ (متوفی ۷۲۸ھ ہجری) کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر تصوف اور سلوک کی راہ طے کی اور ان کے مجاز بیعت (خلیفہ) مقرر ہوئے۔ اس کے بعد شاہ صاحب سمرقند ہرات اور یزد میں مقیم رہے اور ہر جگہ ان سے بڑی تعداد میں افراد بیعت ہوئے، آخر قصبہ امان میں جو کرمان سے ۸۷ میل دور ہے، مستقل سکونت اختیار کی اور اپنی زندگی کے آخری ۲۵ سال وہیں بسر کئے اور ۸۳۴ھ میں ۱۰۴ برس کی عمر میں وفات پائی۔

شاہ صاحب خود کبھی برصغیر میں تشریف نہیں لائے۔ البتہ ان کے کشف و کرامات کی شہرت دور دور تک پھیلی۔ جس سے وہ مختلف سلاطین کے حلقہ میں بڑے احترام اور عقیدت سے دیکھے جاتے تھے۔ انہی سلاطین میں دہلی کا حکمران احمد شاہ بہمنی بھی تھا۔ اسی کی درخواست پر شاہ صاحب کے پوتے میر نور اللہ دکن آئے۔ سلطان نے مخدوم کی حیثیت سے بڑی عزت و تکریم کی۔ شاہ نعمت اللہ ولیؒ کا اصل قصیدہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

قدرت کرد گاری بینم      حالت روز گاری بینم

اور وہ قصیدہ جو اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ اس کا اصل قصیدہ سے کوئی تعلق نہیں۔ موجودہ قصیدے کے فرضی ہونے کی داخلی شہادتیں خود اس قصیدہ میں موجود ہیں جو کہ شاہ صاحب کے زمانے میں موجود نہیں تھے۔ مثلاً جاپان کا ذکر بار بار اس قصیدے میں آیا ہے حالانکہ اس ملک کا نام ”جاپان“ ۱۲۹۵ء میں پڑا تھا۔ اس سے پہلے (شاہ صاحب کے وقت میں) اس ملک کا نام ”چی نیکو“ تھا۔ البتہ سرور کائنات نبی اکرم ﷺ نے پاک و ہند جنگ کے متعلق ذکر فرمایا ہے۔ (نسائی شریف کتاب الجہاد۔ باب غزوۃ الہند۔ جلد نمبر ۶ ص ۴۳ مطبوعہ مصر)

”حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے دو گروہوں کو حق تعالیٰ خاص طور پر جہنم کی آگ سے بچائیں گے۔

ایک گروہ جو ہندوستان سے جنگ کرے گا اور دوسرا گروہ جو اس کے بعد آئے گا اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا ساتھ دے گا۔“

رسول مقبول ﷺ کے اس فرمان کے مطابق فتح آخر میں ہماری ہوگی۔ کیوں کہ ان دونوں کے لئے آگ سے برأت اور فتح کی بشارت موجود

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



ہے۔“

## اربابِ تعلیم اور اصحابِ مدارس کے لئے لمحہ فکریہ!

اربابِ بصیرت اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ہمارے ملک میں لادینی علیم اور مادہ پرستانہ رجحانات نے تعلیم و سیاست سے اسلام کو الگ رکھ کر جس طرح نظریہ پاکستان کو عملی شکل دینے سے پہلو تہی کی پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ اس نے پاکستان کی بنیادیں کھوکھلی کر دی ہیں اور آج نہ صرف یہ کہ ہم مشرقی پاکستان کھو بیٹھے ہیں، بلکہ پورے پاکستان میں لادین اور علیحدگی پسندانہ تحریکیں زوروں پر ہیں جس کا واحد حل ملک میں اسلامی نظام کا عملاً نفاذ اور سالامی تعلیم کا دور دورہ ہے بلاشبہ اس وقت ملک میں اگر اسلام کا کچھ نام باقی ہے تو یہ دینی مدارس کا بہین منت ہے لیکن اگر دینی مدارس نے عصری تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے نصابِ تعلیم اور طریقہ تعلیم کو زمانہ حال کی ضرورتوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوششیں نہ کیں و معاشرہ کی نگاہ میں وہ اپنی رہی سہی اہمیت بھی کھو بیٹھیں گے جس کا نتیجہ ملک و ملت کی تباہی ہو گا۔

اس وقت جبکہ ملک میں نئی تعلیمی پالیسی تیار کی جا رہی ہے اور دینی مدارس میں بھی نئے سال کی ابتداء ہے۔ اصحابِ مدارس اور ماہرینِ تعلیم کو دینی مدارس کو مفید تر بنانے اور ان کے روشن مستقبل کے لئے باہمی مل بیٹھنے کا انتظام کرنا چاہئے تاکہ باہمی تبادلہ خیالات سے اصلاحی طریقہ ہائے کار اختیار کئے جاسکیں اس وقت ملک کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ علماء کی ایک کھیپ تیار کی جائے جو کتاب و سنت کی تعلیمات کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق پیش کر کے اسلام کو مکمل ضابطہ حیات کے طور پر ملک میں رائج کر سکیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

## ذی الحجہ

جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

یہ مہینہ فریضہ حج کی ادائیگی کا ہے۔ عشرہ ذی الحجہ کے فضائل احادیث میں مرقوم ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث بیان کی ہے:-

مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَزَجْ مِنْ ذَلِكَ شَيْءٌ (اخرجه البخاری)

اللہ تعالیٰ کے ہاں ان دس دنوں میں کئے گئے اعمال صالحہ جس قدر پسندیدہ ہیں۔ دیگر دنوں میں نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی (دوسرے دنوں میں) اتنا پسندیدہ نہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں! بجز اس شخص کے جو اللہ کی راہ میں اپنے نفس اور مال کے ساتھ نکلا پھر اس کچھ اس کی راہ میں قربان کر دیا۔

اسی طرح عشرہ کے روزہ کی فضیلت اور مستحب ہونے کا ذکر احادیث میں بیان ہوا ہے۔ اس سے مراد نو دن کے روزے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تاکید یوم عرفہ کے روزے کی ہے۔ لیکن یہ روزہ حاجی کے لئے نہیں بلکہ اس شخص کے لئے ہے جو مقیم ہے۔ یہ روزہ دو سال (ایک گزشتہ اور ایک آئندہ) کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔

اس مہینہ میں قربانی ہے اور ایام تشریق میں تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ اس ماہ میں خدا کو سب سے زیادہ پسندیدہ چیز قربانی ہے۔ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے قبل ہی خدا اسے قبول فرمالیتا ہے، بشرطیکہ مال حلال سے ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



## قربانی کے احکام و مسائل

از افادات حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

قربانی کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ یہ واجب ہے یا سنت؟ لیکن احادیث سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب تک مدینہ منورہ رہے قربانی کرتے رہے اور دوسرے مسلمان بھی قربانی کرتے رہے کسی حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے قربانی کے لئے وجوباً حکم دیا ہو۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا قربانی واجب ہے؟ آپ نے جواب دیا:

**صَحِّي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالْمُسْلِمُونَ**

کہ نبی کریم ﷺ نے قربانی دی اور مسلمان بھی قربانی دیا کرتے تھے۔

مسائل نے جواب ناکافی سمجھ کر (وجوب وغیرہ کا لفظ نہ دیکھ کر) دوبارہ وہی سوال کیا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔ ”تم سمجھتے نہیں؟ میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ حضور ﷺ نے بھی قربانی دی اور عام مسلمان بھی قربانی دیا کرتے تھے۔“ مقصد عبداللہ بن عمرؓ کا یہ تھا کہ کوئی حدیث ایسی نہیں، جس میں حکم دیا ہو۔ صرف آپ ﷺ کا عمل ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ قربانی دی۔ چنانچہ دوسری روایت میں فرماتے ہیں:

**أَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ يُضَحِّي (ترمذی)**

کہ نبی کریم ﷺ مدینہ میں دس سال رہے اور ہمیشہ قربانی دیتے رہے۔

امام ترمذیؒ ابن عمرؓ کا قول اول نقل کر کے فرماتے ہیں:

**وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الْأُضْحِيَّةَ لَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ وَلَكِنَّهَا سُنَّةٌ مِّنْ سُنَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔**

کہ اس پر اہل علم کا عمل ہے کہ قربانی واجب تو نہیں لیکن یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔

ابن ماجہ کی ایک حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قربانی واجب ہے کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

**يَأْتِيهَا النَّاسُ إِنَّ عَلَى كُلِّ أَهْلٍ بَيْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُضْحِيَّةٌ (لوگو ہر گھر پر ہر سال میں ایک قربانی ہے)**

لیکن اس حدیث کے راویوں میں ”امر ابو رملہ“ مجہول راوی ہے اور اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ ہر گھر کی طرف سے ایک قربانی کافی ہوگی، نہ یہ کہ ہر شخص کی طرف سے ایک قربانی۔ اس کی تائید ابویوب انصاریؒ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ عطاء بن یسار نے حضرت ابویوب انصاریؒ سے دریافت کیا کہ آپ کے زمانہ میں قربانی کس طرح دی جاتی تھی؟ انہوں نے کہا کہ ایک شخص اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی دیتا، وہ خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تا آنکہ لوگوں نے اس میں فخر و ریا شروع کر دی یعنی کثرت سے قربانی دینے لگ گئے۔ یہی قول امام احمدؒ، اسحاقؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔

امام شافعیؒ نے اس حدیث (إِذَا دَخَلَتِ الْعَشْرُ فَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ) سے بھی استدلال کیا ہے کہ قربانی واجب نہیں کیونکہ اس میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قربانی کو ارادے پر معلق کیا ہے اور وجوب ارادہ کے منافی ہوتا ہے۔ اسی طرح ابن ماجہ کی دوسری حدیث (جس میں عبد اللہ بن عیاش منکر الحدیث راوی ہے) بھی قابل استدلال نہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

”مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَلَمْ يُضِجْ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّنًا“

کہ جس کو گنجائش ہو اور پھر قربانی نہ دے وہ ہمارے عید گاہ میں نہ آئے

عبد اللہ بن عیاش کو ابو داؤد اور نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ منکر الحدیث اور غلط روایت کرنے والا ہے جیسا کہ علامہ سندھی نے حاشیہ ابن ماجہ میں اور حافظ صاحب نے تخریب التہذیب میں لکھا ہے۔

امام مسلم نے اس سے روایت متابعات اور شواہد میں کی ہے۔ اس لئے اس سے توثیق نہیں ہو سکتی، حافظ صاحب نے فتح الباری میں اس روایت کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ اکثر ائمہ حدیث کے نزدیک یہ مرفوع ثابت نہیں بلکہ موقوف ہے اور صحابہ سے مختلف آثار اس مسئلہ میں مروی ہیں اور ابو بکرؓ، عمرؓ، ابو مسعودؓ اناری اور عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی منقول ہے کہ قربانی سنت ہے۔ اس لئے اکثر محدثین کا اس مسئلہ میں یہی فتویٰ ہے کہ قربانی سنتِ موگدہ ہے۔ کیونکہ آپ نے ہمیشہ قربانی دی۔

### قربانی کی فضیلت:

اس عمل کی محبوبیت اور فضیلت کا ذکر کرتے وقت آپ نے یہ فرمایا:

”مَا عَمِلَ آدَمِيٌّ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ“

قربانی کے دن کوئی عمل، اللہ کے نزدیک خون گرانے سے زیادہ محبوب نہیں۔

اور جیسا کہ عام طور پر زبان زد عام ہے کہ قیامت کے دن پل صراط پر قربانی کے جانور سواری کا کام دیں گے اس لئے قربانی کے جانور خوب موٹے تازے ہونے چاہئیں، بالکل غلط ہے۔ اس کا کسی حدیث سے ثبوت نہیں مل سکتا۔ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں اس مضمون کی ایک حدیث ذکر کر کے بحوالہ ابن صلاح لکھا ہے کہ یہ حدیث ہمیں تک ہمیں علم ہے ثابت نہیں اور اس کا کوئی اصل نہیں۔

### بہترین قربانی:

اس میں شک نہیں کہ موٹی تازی اور عمدہ قربانی کو آپ پسند کرتے جیسا کہ حافظ نے تلخیص میں یہ مرفوع حدیث نقل کی ہے:

”أَحَبُّ الضَّحَايَا إِلَى اللَّهِ أَعْلَاهَا وَأَسْمَتُهَا“

خدا کو سب سے زیادہ محبوب قربانی موٹی تازہ اور بلند قامت یا عمدہ قسم کی ہے۔

اور بعض علماء نے تو آیت ”وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ“ کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ ”قربانی موٹی اور عمدہ ہو۔“ امام بخاریؒ نے بھی ”البدن“ کی تفسیر میں ایسا ہی ایک قول مجاہد نقل کیا ہے۔ ایک حدیث ترمذی ابو داؤد میں بھی ہے کہ:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

خَيْرُ الْأَضْيَةِ الْكَبُشُ بہترین قربانی دنبہ ہے۔

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن آپ کا عمل یہی رہا جیسا کہ اکثر سنن نے حضرت انسؓ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ:

صَحِيحُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِكَبْشَيْنِ أَقْرَبَيْنِ أَمْلَحَيْنِ ذَبَحَهُمَا بَيْدَهُ

وَسَمِي وَكَبَرُ آپ ﷺ نے دو دنبوں کی قربانی کی جو دو سینگ والے اوچکبرے تھے۔ دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا) اور حضرت علیؓ سے ترمذی میں یہ روایت بھی ہے کہ آپؐ ہمیشہ دو دنبوں کی قربانی کرتے تھے، ایک نبی ﷺ کی طرف سے اور ایک اپنے لئے۔ کسی کے سوال کے جواب میں آپؐ نے کہا مجھ کو نبی ﷺ نے یہ حکم دیا ہے، میں اس کو کبھی بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جس جانور کی قربانی دی تھی وہ دنبہ ہی تھا۔ اس لئے اکثر علماء نے کہا ہے کہ بہترین قربانی دنبہ ہے۔

قربانی کے جانور:

رسول اللہ ﷺ نے قربانی، عقیقہ ہمیشہ انہی آٹھ قسم کے جانوروں میں سے کیا جن کی تفصیل سورہ انعام میں موجود ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں حضرت علیؓ کا یہ استنباط پیش کیا ہے جو انہوں نے مندرجہ ذیل آیات سے کیا ہے۔ سورہ حج میں ایک جگہ فرمایا ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ

کہ امت کے لئے ہم نے قربانی قرار دی ہے تاکہ خدا نے جو ان کو مویشی (چارپائے) دے رکھے ہیں، قربانی کرتے وقت ان پر خدا کا نام لیں۔ اس آیت سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے جانوروں کے لئے ”بہیمۃ الانعام“ بولا گیا ہے۔ اسی طرح اس سے پہلے سورہ حج کے رکوع میں فرمایا:

عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَاكُلُوا مِنْهَا وَأَطِيعُوا أَمْرَ الْفَقِيرِ

کہ خدا کا نام لیں ان چارپاؤں مویشیوں پر جو خدا نے ان کو دے رکھے ہیں۔ لوگو! قربانی کے گوشت سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاجوں کو بھی کھاؤ۔

اس آیت سے کمال وضوح یہ ثابت ہوا کہ قربانی کے جانور وہی ہیں جن کے لئے قرآن میں ”بہیمۃ الانعام“ لفظ بولا جاتا ہے۔

اب قرآن مجید ہی سے اس لفظ کی تشریح تلاش کرتے ہیں تو سورہ انعام رکوع ۷۷ سے اس کی تشریح یہ معلوم ہوتی ہے۔

”وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةٌ وَفَرَشًا كُلُوا مِنْهَا رَزَقَكُمُ اللَّهُ“ (وقال) ”ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ

اثْنَيْنِ“ (وقال) ”وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ“

خدا نے یہ چارپائے نرمادہ آٹھ قسم کے پیدا کیے ہیں۔ (بعض اونٹ کی طرح) بوجھ اٹھانے والے اور (بھیڑ بکری کی طرح) زمین سے لگے ہوئے۔ لوگو! خدا نے تمہیں جو روزی دی ہے اس میں سے بے تامل کھاؤ۔ پھر فرمایا خدا نے یہ چارپائے آٹھ قسم کے پیدا کئے ہیں اور بھیڑوں میں سے ز

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور مادہ دو (۲) بکریوں میں سے نر اور مادہ، پھر فرمایا دونوں میں سے نر اور مادہ۔ دو گائے کی قسم میں سے نر مادہ۔

لفظ ”بہیمۃ الانعام“ کی اس قرآنی تشریح کے بعد یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ قربانی انہی آٹھ قسم کے جانوروں سے دینی چاہئے۔ حضرت علیؓ کے اس استنباط اور اسی تفسیر کی بنا پر تفسیر کی بنا پر حافظ ابن قیمؒ (زاد المعاد) اور دوسرے محدثین نے یہ لکھا ہے کہ:

”وہی ختصة بالازواج الثمانية المذكورة في الانعام“

کہ قربانی وغیرہ انہی آٹھ قسم کے جانوروں کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اوٹ، گائے، بکری، دنبہ کی قربانی دی ہے۔ گائے کی قربانی اپنے ازواجِ مطہرات کی طرف سے دی تھی اور اونٹ بکری اور دنبہ کی قربانی آپ نے اپنی طرف سے مختلف اوقات میں کی۔ صحابہ کرامؓ سے بھی انہی جانوروں کی قربانی ثابت ہے۔

### قربانی میں شرکت:

متعدد حضرات اگر مشترکہ طور پر قربانی دینا چاہیں تو یہ جائز ہے اور متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے لیکن یہ مسئلہ کسی قدر تشریح طلب ہے۔ گائے اور اونٹ کے متعلق تو صریح احادیث سے ثابت ہے کہ متعدد اشخاص کی طرف سے قربانی دی جاسکتی ہے۔ ایک گائے میں سات شامل ہو سکتے ہیں اور اسی طرح اونٹ میں بھی۔ لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ میں دس شامل ہو سکتے ہیں۔

امام ترمذیؒ نے اونٹ کے متعلق دونوں حدیثیں ذکر کی ہیں۔ لیکن سات والی کو ترجیح دی ہے۔ ایک روایت ابن عباسؓ کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ عید قرباں دورانِ سفر ہی میں آگئی تو ہم گائے میں سات اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہو گئے۔ اس کو ترمذیؒ نے حسن غریب یعنی نادر سند کی حدیث کہا ہے۔ دوسری حدیث جابرؓ کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں اونٹ اور گائے کی سات آدمیوں کی طرف سے قربانی دی۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے حسن اور صحیح کہا یعنی اعلیٰ پائے کی حدیث ہے اس حدیث کی تائید اور بھی بہت سی احادیث سے ہوتی ہے۔ مثلاً مسلم میں ہے:

إِشْتَرَكْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْحَجِّ وَالْمَرَّةِ كُلِّ سَبْعَةٍ مِّنَّا فِي بَدَنَةِ فَقَالَ رَجُلٌ لِّجَابِرٍ أَيُشْتَرَكُ فِي الْبَقَرِ مَا يُشْتَرَكُ فِي الْجَزُورِ فَقَالَ مَا هِيَ إِلَّا مِنَ الْبَدَنِ

کہ حج کے موقع پر ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے اور ہم فی اونٹ سات آدمی شامل ہوئے ایک شخص نے جابرؓ سے دریافت کیا، کیا گائے میں بھی سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں؟ تو جابرؓ نے کہا کہ گائے بھی اسی کے حکم میں ہے۔

تو صحیح یہی ہے کہ گائے اور اونٹ میں سات سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور یہی مسلک جمہور محدثین کا ہے امام ترمذیؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا بالعموم اور ائمہ دین مثلاً سفیان الثوریؒ، ابن المبارکؒ شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا اسی پر عمل رہا اور اسی کی تائید مسلم شریف کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

روایات سے ہوتی ہے۔

بکری کی قربانی میں ایک سے زائد شریک ہو سکتے ہیں یا ایک سے زیادہ کی طرف سے بکری کی قربانی دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں حنفیہ اور محدثین کا اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک بکری صرف ایک ہی شخص کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے جس کے لئے حضرت عائشہؓ کی حدیث بہترین دلیل ہو سکتی ہے۔

اور داؤد میں ہے کہ آپ نے ایک دنبہ ذبح کیا اور لٹاتے ہوئے یہ کہا:۔

اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ

یا اللہ تو اس کو محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کی طرف سے قبول فرما اور حافظ ذیلیعی نے نصب الراہیہ میں مستدرک حاکم سے ایک روایت نقل کی ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُضَيِّجُ بِالشَّاةِ الْوَاحِدَةِ عَنْ جَمِيعِ أَهْلِهِ

کہ نبی اکرم ﷺ ایک بکری کی تمام گھروالوں کی طرف سے قربانی کرتے۔

اور دوسری روایت ابن ابی شیبہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے دو دنبہ ذبح کیے:

فَقَالَ نَدَا الْوَلِ عَنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَعِنْدَ الثَّانِي عَمَّنْ بِي فَصَدَّقَنِي عَنْ أُمَّتِي

پہلے پر آپ ﷺ نے کہا یہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کی طرف سے ہے دوسرے پر کہا کہ یہ ہر اس شخص کی طرف سے ہے جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی میری امت سے۔

مسند امام احمد میں ایک روایت ہے کہ ایک صحابی نے کہا کہ ہم سات آدمیوں کی ایک پارٹی تھی۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم سب ایک ایک درہم ملا کر ایک بکری خرید لیں۔ چنانچہ اس طرح ہم نے سات درہم جمع کر کے ایک بکری خرید لی۔ پھر آپ کے فرمانے کے مطابق ایک شخص نے ایک پاؤں اور دوسرے شخص نے دوسرا پاؤں، ایک نے ایک ہاتھ اور دوسرے نے دوسرا ہاتھ، ایک نے ایک سینگ دوسرے نے دوسرا سینگ بکری کا پکڑ لیا اور ساتویں نے ذبح کیا اور ہم سب نے تکبیر پڑھی۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

أَبُو الْأَسَدِ الْأَسْلَمِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كُنْتُ سَابِعَ سَبْعَةٍ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ فَأَمَرَنَا نَجْمُ لِكُلِّ رَجُلٍ مِّنَّا دِرْهَمًا فَاشْتَرَيْنَا أُضْغِيَّةَ الدَّرَاهِمِ وَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَخَذَ رَجُلٌ بِرَجُلٍ إِلَى قَوْلِهِ وَذَبَحَهَا السَّابِعُ وَكَبَّرْنَا عَلَيْهَا جَمِيعًا (مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۲۱)

حافظ ابن قیمؒ نے بھی اعلام الموقعین کے آخر میں اس حدیث کو ذکر فرمایا اور لکھا ہے:

حافظ ابن قیمؒ نے بھی اعلام الموقعین کے آخر میں اس حدیث کو ذکر فرمایا اور لکھا ہے:

”نَزَلَ هَؤُلَاءِ الْغَنَرُ مَنْزِلَةَ أَهْلِ الْبَيْتِ الْوَاحِدِ فِي أَجْزَاءِ الشَّاةِ عَنْهُمْ لَا نَهْمُ كَانُوا رِفْقَةً وَاحِدَةً“

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



اس جماعت کو آپ نے ایک گھر والوں کی طرح سمجھ کر فتویٰ دیا کہ ایک بکری ان سب کی طرف سے قربانی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ سب رفیق اور ایک ساتھ رہنے والے ہیں۔

اور ایک حدیث ابو ایوب انصاری کی ہے کہ:

**كَانَ الرَّجُلُ يُضَيِّعُ بِالشَّاعَةِ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ**

کہ ایک شخص اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے بکری قربانی کرتا۔

ان روایات کے ذکر کرنے سے مطلب یہ ہے کہ طحاویؒ نے حنفیت کی حمایت کرتے ہوئے جو یہ فرمایا ہے کہ ”یہ نبی ﷺ کا خاصا تھا یا منسوخ ہو گیا ہے۔“ کسی طرح بھی صحیح نہیں کیونکہ نبی ﷺ کے سوا اور صحابہؓ نے بھی ایسا کیا اور ابو ایوب انصاری کی روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ دیر تک ایسا ہی ہوتا رہا کہ ایک شخص اپنے گھر والوں کی طرف سے اور اپنی طرف سے ایک قربانی کرتا **حَتَّى تَبَاهِيَ النَّاسُ** پھر ایک یہ وقت آیا کہ لوگوں نے اس میں فخر شروع کر دیا اور جب اور صحابہ سے بھی ثابت ہے اور آپ کے بعد بھی لوگ اس پر عمل کرتے رہے، پھر یہ کہنا کہ یہ خاصہ نبی کریم ﷺ کا ہے یا یہ منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے لیکن طحاویؒ بھی مجبور بلکہ معذور ہیں کیونکہ تقلید کی وجہ سے حمایت مذہب کی جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں ان کے ہوتے ہوئے وہ یہی کر سکتے ہیں اور اس قسم کے مریض عشق کی تڑپ اور بے قراری کا مظاہرہ ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ پس کتنی ہی حدیثیں ہیں جن کو خاصہ نبی کریم کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے اور کتنی ہی حدیثیں ہیں جن کو خاصہ نبی کہہ کر اپنے آپ کو بچا لیا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ پُر لطف وہی جگہ ہوتی ہے جہاں حدیث کے متعلق کہا جاتا ہے کہ منسوخ ہے، یہ بے چارگی اور سراسیمگی کا فی الحقیقت نہایت قابلِ رحم منظر ہوتا ہے۔ بہر حال اس مسئلہ میں صحیح اور مطابق حدیث نبوی اور تعامل صحابہ کے یہی ہے کہ ایک بکری کی قربانی تمام گھر والوں کی طرف سے کافی ہے سو وہ چاہے کتنے ہی ہوں۔

## قربانی میت کی طرف سے:

حضرت علیؓ ہمیشہ دود نبیوں کی قربانی کیا کرتے تھے اور ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا:

**إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَوْصَانِي أَنْ أُضَحِّيَ عَنْهُ أَنَا أُضَحِّيَ عَنْهُ**

کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت کی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں سو اس کی تعمیل میں قربانی کرتا ہوں۔ (ترمذی، ابوداؤد) چونکہ اس حدیث میں بعض راویوں پر جرح ہے، اس لئے بعض ائمہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ جیسا کہ عبد اللہ بن مبارک کا قول امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک قربانی تو میت کی طرف سے جائز نہیں لیکن صدقہ جائز ہے اور اگر قربانی کرے بھی تو خود اس میں سے کچھ نہ کھائے بلکہ سارے کا سارا صدقہ کر دے لیکن کسی حدیث سے ایسا ثابت نہیں۔ ترمذی کی حدیث میں اگرچہ ایک راوی پر جرح ہے۔ لیکن یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ ایک قربانی تمام امت کی طرف سے دیتے جیسے کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، تو امت میں زندہ اور مردہ سب شامل ہیں جو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



آپ کے سامنے فوت ہو چکے ہیں وہ بھی اور جو ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے وہ بھی اس میں شامل ہیں اور یہ حدیث مسلم، دارمی، ابو داؤد، ابن ماجہ، احمد اور حاکم وغیرہم سب نے روایت کی ہے اور متعدد صحابہ سے مروی ہے لیکن یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ جو قربانی آپ امت کی طرف سے دیتے وہ ساری کی ساری صدقہ کر دیتے تھے اور اس میں سے آپ یا آپ کے گھروالے کچھ نہیں کھاتے تھے۔ بلکہ مسند امام احمد کے الفاظ تو بہت زیادہ واضح ہیں، اس میں تو یہ ہے:

**فَيُطْعَمُ مِنْهَا جَمِيعًا الْمَسَاكِينُ وَيَأْكُلُ هُوَ وَآهْلُهُ مِنْهَا** (عن ابی رافع)

کہ آپ دونوں قربانیوں میں سے مساکین کو بھی کھلاتے اور آپ اور آپ کے گھروالے سب ان دونوں میں سے کھاتے۔ اس لئے صحیح قول یہی ہے کہ میت کی طرف سے قربانی دی جاسکتی ہے اور اس میں سے کچھ صدقہ کرنا اور کچھ کھالینا جائز ہے۔

### قربانی کا بیچنا اور تبادلہ کرنا:

قربانی کے لئے کسی جانور کو معین کرنے کے بعد اس کا فروخت کرنا یا ہبہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے گوشت بنانے والے قصاب کو قربانی کا گوشت اجرت میں دینا منع فرمایا۔ تو جب قربانی کا گوشت اجرت میں دینا منع ہے اس کا فروخت کرنا بطریق اولیٰ منع ہو گا۔ اور مسند امام احمد میں ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک نہایت عمدہ جانور بھیڑ بکری کی قسم سے مکہ مکرمہ قربانی کے لئے بھیجنے کا ارادہ کیا، اس کے بد انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا:

**فَقَالَ إِنِّي أَهْدِيْتُ نَجِيبًا فَأَبِيعُهَا وَأَشْتَرِي بِمَنْبَعِهَا بَدَنَةً قَالَ لَا أَنْحَرَهَا**

کہ میں اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے اونٹ خرید لوں؟ آپ نے فرمایا نہیں، اسی کو ذبح کرو۔

تو معلوم ہوا کہ قربانی کا جانور ایک دفعہ معین کر لینے کے بعد فروخت کرنا جائز نہیں، اگرچہ اس فروخت کرنے سے اس کا مقصد اس سے بہتر جنس خرید کر قربانی کرنا ہی ہو کیونکہ جس جانور کو ایک دفعہ اللہ کے نام پر خرید لیا یا اللہ کے نام پر ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا ہو۔ پھر اس نامزدگی سے اس کو محروم کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی تائید میں حضرت عائشہؓ کی حدیث پیش کی جاسکتی ہے جس کو صاحب تلخیص نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جانور قربانی کے لئے معین کیے لیکن وہ دونوں گم ہو گئے۔

**فَبَعَثَ ابْنُ الزُّبَيْرِ إِلَيْهَا جَهْدَيْنِ فَحَرَّتَهُمَا ثُمَّ عَادَ الضَّالَّانِ فَتَحَرَّتَهُمَا وَقَالَتْ هَذِهِ سُنَّةُ الْهَدْيِ**

ابن الزبیر نے دو اور جانور قربانی کے لئے بھیج دیئے۔ حضرت عائشہ نے ان کو ذبح کر لیا تو گم شدہ مل گئے پھر انھوں نے وہ بھی ذبح کر دیئے (ادارہ) اور فرمایا کہ یہی سنت قربانی کی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جب جانور کو قربانی کے لئے ایک دفعہ متعین کر دیا جائے تو کسی حالت میں بھی نیت زائل نہیں ہو سکتی تو پھر اس کی بیچ کیونکر جائز ہو سکتی ہے۔ اسی بنا پر قربانی کے لئے متعین شدہ جانوروں کا تبادلہ بھی جائز نہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وَمَنْ عَيْنٍ أُخِيَّةً فَلَا يَسْتَبْدِلُ بِهَا  
جس نے اپنی قربانی کا جانور معین کر لیا پھر اس سے کسی کا تبادلہ نہ کرے۔  
یہ روایت اگرچہ ان الفاظ میں بسند صحیح ثابت نہیں لیکن حافظ صاحب تلخیص میں فرماتے ہیں کہ اسی مضمون کی دوسری صحیح روایت ثابت ہے کہ  
حضرت علیؓ سے قربانی کے جانوروں کے تبادلے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

أَوْعَيْتُهُمْ هَآلَا أُخِيَّةً فَقَالَ لَعَمْرُكَ هَهُ

کیا تم نے اس جانور کو قربانی کے لئے متعین کر دیا ہے سائل نے کہا جی ہاں۔ پس آپ نے اس کو مکروہ سمجھا۔

### قربانی کا وقت:

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی کا وقت نماز عید کے بعد شروع ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص نماز سے پہلے ذبح کر لے تو وہ قربانی شمار نہ ہوگی۔  
براء بن عاذب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهُ وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ

کہ جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا اس نے اپنے (کھانے پینے کے) لئے ذبح کیا اور جس نے نماز کے بعد ذبح کیا۔ اس نے اپنی قربانی پورے طور پر  
ادا کی اور مسلمانوں کے طریقے کے مطابق عمل پیرا ہوا۔

لیکن قربانی کے آخری وقت کے متعلق بہت سا اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک عید کا روز اور تین روز اس کے بعد یعنی چار دن۔ امام مالک اور امام  
ابو حنیفہ اور امام احمد کے ایک قول میں قربانی کے تین دن ہیں۔ بعض کے نزدیک صرف ایک دن اور بعض کے نزدیک عید کے دن سے آخر مہینہ  
ذوالحجہ تک۔ ان چاروں اقوال میں سے تیسرا قول تو صریح آیت لَيْذُكُرُوا اَسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةٍ  
الْاَنْعَامِ کے خلاف ہے اور کوئی آیت اس مضمون کی نہیں ہے کہ صرف عید کا دن قربانی کا دن ہے یا یہ کہ قربانی کا دن ایک ہی ہے چوتھا قول بھی  
صحیح ہے کیونکہ کوئی مرفوع اور صحیح حدیث نہیں ہے۔ مراسیل ابی داؤد میں ایک مرسل روایت ہے لیکن مرسل روایت محدثین کے نزدیک حجت نہیں  
ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ مرفوع احادیث کے خلاف ہو۔ حافظ صاحب فتح الباری ابو امامہ کی روایت امام احمد کے واسطے سے ذکر کرتے ہیں۔

كَانَ الْمُسْلِمُونَ يَشْتَرُونَ اَحَدَهُمُ الْاُخْيَةَ فَيَسْبِغُهَا وَيَذْبَحُهَا فِيْ اٰخِرِ ذِي الْحِجَّةِ قَالَ اَحْمَدُ هَذَا الْحَدِيثُ عَجِيبٌ

مسلمان قربانی کے جانور خرید لیتے اور اس کو خوب موٹا تازہ کرتے اور ذی الحجہ کے آخر میں اس کو ذبح کرتے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث  
عجیب قسم کی ہے۔

بہر حال اس روایت سے بھی مرسل ابی داؤد کی تائید نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ تو مرسل بھی نہیں ہے بلکہ یحییٰ بن سعید کا قول ہے۔  
دوسرا قول صحیح حدیث کے مطابق ہے یعنی عید کے بعد تین دن اور قربانی کی جاسکتی ہے۔ یہی قول جمہور اہل علم کا ہے۔ حافظ صاحب فتح الباری  
میں فرماتے ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وَجَعَلَهُ الْجُمُهورُ حَدِيثَ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَفَعَهُ حَجَّاجٌ وَفِي كُلِّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَنْبٌ أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ لَكِنْ فِي سَنَدِهِ انْقِطَاعٌ  
وَوَصَلَهُ الدَّارُ قُطْنِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ (فتح الباری)

جمہور کی دلیل جبیر بن مطعم کی مرفوع حدیث ہے کہ تمام ایام تشریق میں ذبح ہو سکا ہے۔ امام احمد نے اس کو روایت کیا ہے لیکن اس کی سند منقطع ہے۔ دارقطنی نے اس کو متصل بیان کیا ہے اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔

ایام تشریق کے متعلق کسی کو اختلاف نہیں کہ وہ عید کے دن تین دن تک ہیں۔ یعنی ۱۳ ذوالحجہ تک دارقطنی نے اس کو دو طریقوں سے متصلاً بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے دارقطنی کے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔ اور علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں جبیر بن مطعم کی حدیث کے علاوہ جابر سے بھی یہی حدیث اسامہ بن زیدؓ کے واسطے سے نقل کی ہے جو ثقہ اور قابل اعتماد راوی ہیں اور اس کے علاوہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایام تشریق کو ایام ”اکل و شرب“ یعنی کھانے پینے کے دن فرمایا ہے اور اسی لئے ان ایام میں روزہ رکھنا حرام ہے اور جب عید کے بعد تین دن ان سب احکام میں ایک حیثیت رکھتے ہیں، یعنی یہی تین دن ایام مٹی، ایام رمی اور ایام تشریق ہیں۔ ان میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ذبح قربانی کے لئے ایک دن (تیرہویں تاریخ) کو مستثنیٰ کر دیا جائے۔

علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں اسی قول کو ترجیح دی ہے اور حضرت علیؓ کا ایک قول نقل کیا ہے:-

أَيَّامُ النَّحْرِ يَوْمُ الْأَضْحَى وَثَلَاثَةُ أَيَّامٍ بَعْدَهُ

قربانی کے دن عید کے روز سے تین دن بعد تک ہیں۔  
اس کے بعد فرماتے ہیں، یہی قول بصرہ کے امام حسنؒ کا اور امام اہل مکہ عطاء بن ابی رباحؒ اور امام اہل شام اوزاعیؒ امام فقہاء اہل حدیث شافعیؒ کا ہے۔  
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کتاب الاختیارات میں فرماتے ہیں:

واخر وقت ذبح الاضحية اخر ايام التشريق وهو مذهب شافعي واحمد القولين في مذهب احمد

قربانی کا آخری وقت ایام تشریق کا آخری دن ہے اور یہی مذہب امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی ہے۔  
قاضی شوکانیؒ نے نیل الاوطار ص ۳۵۹ جلد ۴ میں اور حافظ ابن کثیرؒ نے تفسیر کی دوسری جلد ص ۵۳ میں اسی مسلک کی تائید کی ہے اور اس کو تمام اقوال میں ترجیح بتایا ہے۔ پہلا قول یعنی صرف تین دن قربانی جائز رکھنے والوں کی دلیل مؤطا امام مالکؒ کی روایت عبد اللہ بن عمرؓ سے ہے، فرماتے ہیں:

الاضحية يومان بعد يوم الاضحية

کہ عید کے دن کے سوا دو دن اور قربانی کے ہیں۔  
چونکہ یہ مرفوع حدیث نہیں۔ اس لئے پہلی مرفوع اور صحیح حدیثوں کے مقابلے میں اس کو پیش نہیں کیا جاسکتا۔

رات کے وقت ذبح کرنا:

بعض اہل علم نے قرآن کے لفظ ”فی ایام معلومات“ (معلوم و معین دنوں میں) سے یہ استدلال کیا ہے کہ رات کے وقت قربانی کرنا جائز نہیں لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن حکیم نے ”ایام“ کا لفظ دن اور رات دونوں کے لئے آیا ہے جیسا کہ فرمایا، فَتَمَتُّعُوا فِي دَارِكُمْ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

**ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ** اس لئے سوائے امام مالکؒ کے اور اکثر ائمہ دین کے نزدیک رات کے وقت قربانی کرنا جائز ہے۔ ابن عباسؓ کی ایک روایت طبرانی میں ہے کہ رات کے وقت آپ نے ذبح کرنے سے منع فرمایا۔ لیکن یہ حدیث بہت ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں بیہقی کی ایک روایت نقل کی ہے کہ:-

**نَهَى عَنْ جَذَاذِ اللَّيْلِ وَحَصَادِ اللَّيْلِ وَالْأَضْحَى بِاللَّيْلِ**

رات کے وقت کھیت کاٹنے اور کھجور کا درخت کاٹنے اور قربانی کرنے سے منع فرمایا۔

لیکن اس کا کچھ حال معلوم نہیں اور اگر صحیح بھی ہو تو حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہی تحریمی نہیں کیونکہ رات کے وقت کھیت کاٹنے سے اس لئے اغلباً منع کیا ہے کہ کہیں موذی جانور ایذا نہ دے اور کھجور رات کے وقت کاٹنے سے مساکین اور فقراء کے محروم رہ جانے کا خطرہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اسباب محرمات نہیں ہو سکتے۔ زیادہ سے زیادہ نہی تنزیہی ہو گی۔

**اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا:**

نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں عام طور پر اپنے دست مبارک سے قربانی کے جانور خود ذبح کرتے اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے ۶۳ اونٹ خود ذبح کئے اور ۱۳ اونٹ حضرت علیؓ نے ذبح کیے کیونکہ آپ نے ۱۰۰ اونٹ کی قربانی دی تھی، تو معلوم ہوا کہ قربانی دینے والوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا چاہئے اور یہی افضل ہے اور کسی کی طرف سے وکالتاً ذبح کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت علیؓ نے کیا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی عورتوں کی طرف سے گائے کی قربانی حجۃ الوداع کے موقع پر دی تھی۔ اگر کوئی شخص خود اپنے ہاتھ سے ذبح نہیں کر سکتا تو اسے اس وقت حاضر رہنا چاہئے اور یہ مستحب ہے جیسا کہ فتح الباری میں حافظ صاحبؒ نے لکھا ہے اس میں حضرت عائشہؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ آپ اپنی بیویوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ اپنی قربانی کے جانوروں کے ذبح کے وقت حاضر رہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ہاں! ابو موسیٰ اشعرؓ سے امام بخاریؒ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے:

**أَمَّنْ أَبُو مُوسَى بَنَاتِهِ أَنْ يُضْحِيَنَّ بِأَيْدِيهِنَّ** (ابو موسیٰ نے اپنی لڑکیوں کو حکم دیا کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے ذبح کریں)

مسندِ حاکم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہؓ کو بھی حکم دیا تھا:

**قُوْنِي يَا فَاطِمَةُ إِلَى أَضْحِيَّتِكَ فَاشْهَدِيهَا**

اے فاطمہ! اپنی قربانی کی طرف جا کر کھڑی ہو جا اور اس کے پاس حاضر ہو۔

ذیلی نے تخریج ہدایہ میں اس روایت کو تین مسندوں سے ذکر کیا ہے۔ مسندِ بزاز کی حدیث کو سب پر ترجیح دی ہے۔ بہر حال ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بہتر تو یہ ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اور اگر دوسرے سے ذبح کرائے تو بہتر اور افضل ہے کہ خود پاس کھڑا ہو۔ ابو موسیٰ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں بھی ذبح کر سکتی ہیں اور کوئی نص شرعی اس کے خلاف نہیں۔

اگر قربانی کا جانور خریدنے یا متعین کر لینے کے بعد بچہ جنے تو اس کو بھی ذبح کرنا ہو گا۔ تلخیص میں حضرت علیؓ کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں

**محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ**

نے ایک شخص کو دیکھا کہ قربانی کی اونٹنی اور اس کا ایک بچہ لیے جا رہا ہے تو آپ نے فرمایا:

لَا تَشْرَبُ مِنْ لَبَنِهَا إِلَّا مَا فَضَلَ عَنْ وَلَدِهَا اس کا دودھ صرف اتنا ہی پی سکتے ہو جس قدر اس بچہ سے بچ جائے۔

اور مسند ابن ابی حاتم میں یہ لفظ بھی ہیں، فَإِذَا كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ فَانْحَرْهَا هِيَ وَلَدَهَا عَنْ سَبْعَةِ (قربانی کے دن اس کو اور اس کے بچہ کو سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کرو۔ مگر ذبح کرنے کے بعد مردہ بچہ برآمد ہو، تب تو سوائے امام ابو حنیفہ کے اکثر صحابہ، تابعین اور ائمہ دین کے نزدیک بغیر ذبح کیے ہوئے حلال اور جائز ہے۔ کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ صحابہ نے آپ سے دریافت کیا کہ ہم بعض دفعہ گائے، اونٹنی یا بکری ذبح کرتے ہیں تو اس کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے کیا ہم اسے کھالیا کریں یا پھینک دیں؟ آپ نے فرمایا:

كُلُّهُ إِنْ شِئْتُمْ فَإِنَّ ذَكَاتَهُ ذَكَاةُ أُمِّهِ اگر جی چاہے تو بیشک کھاؤ، اس کی ماں کا ذبح کر لینا اس کے لئے بھی کافی ہے۔

ذیلی نے تخریج ہدایہ جلد ۲ ص ۲۶۵ میں آٹھ دس کے قریب اسی مضمون کی حدیثیں نقل کی ہیں اور ان میں سے اگرچہ بعض پر جرح کی ہے، لیکن بعض صحیح بھی ہیں اور انہوں نے بھی اس مشکل کو محسوس کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا قول اس مسئلہ میں صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ اس لئے تمام احادیث کے آخر میں ابن المنذر کا قول نقل کر دیا ہے۔ کسی صحابی نہ کسی تابعی نہ کسی عالم کا یہ قول ہے کہ ذبح کے بعد پیٹ سے نکلا ہوا بچہ ذبح کیا جائے، سوائے ابو حنیفہ کے اور مجھے اُمید نہیں کہ ان کے شاگردوں نے ان سے اتفاق کیا ہو۔



## قربانی اور منکرین حدیث

جامعۃ المسلمین کراچی

عید الاضحیٰ تکمیل دین کا عظیم الشان تہوار اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی فقید المثل قربانی کی یادگار ہے۔ مسلمان صرف نظریاتی طور پر ہی اس یادگار کو نہیں مناتے بلکہ عملی طور پر بھی اپنی قربانیاں پیش کر کے جذبہ قربانی کو فروغ دیتے ہیں۔ گویا عید الاضحیٰ قربانی کی ایک عملی مشق ہے۔ یہ عملی مشق اور پھر اس بات کا اقرار کہ **هَيَّأَيَّ وَهَيَّأَيَّ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** یعنی ہماری زندگی اور موت سب اللہ کے لئے ہے۔ اس بات کا سبق ہے کہ درحقیقت ہماری کوئی چیز ہماری نہیں بلکہ ہر چیز حتیٰ کہ پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ لیکن افسوس کتنی جلدی ہم اس عہد و پیمان کو بھول جاتے ہیں اور اللہ کے دین کی خدمت کے لئے نہ کوئی وقت نکالتے ہیں نہ مال و دولت خرچ کرتے ہیں۔

عید الاضحیٰ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے برابر ہر سال منائی جا رہی ہے۔ اور ہر سال قربانیاں بھی متواتر مسلسل ہوتی رہی ہیں۔ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا انکار حقائق کا انکار ہے۔ لیکن وائے افسوس! ہمارے زمانے میں کچھ لوگ ایسے بھی موجود ہیں جو اس قربانی کا انکار کرتے ہیں اور اس کو مال کا ضیاع تصور کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قومی دولت کا کروڑوں روپیہ ہر سال برباد ہو جاتا ہے۔ اگر یہ روپیہ اس طرح ضائع نہ ہو تو اس سے قوم کی معیشت کو کافی حد تک بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ مزید برآں یہ لوگ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس قربانی کا کوئی ثبوت نہیں لہذا اس کی کوئی اہمیت نہیں، گویا قربانی پر دو قسم کا اعتراض ہے۔ (۱) قرآن مجید میں اس کا حکم نہ ہونا (۲) مادی نقصانات۔ اب ہم ان دونوں باتوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ قرآن مجید سے بھی اس قربانی کا ثبوت دیا جاسکتا ہے لیکن ہم اس بات کی ضرورت نہیں سمجھتے، اس لئے کہ نہ ہم خود اس بات کے قائل ہیں کہ جب تک کسی چیز کا ثبوت قرآن میں نہ ہو وہ چیز ثابت نہیں ہوتی، اور نہ اس عقیدہ کو دوسروں کے ذہنوں میں جگہ دینا چاہتے ہیں۔ اگر کسی چیز کا ثبوت حدیث سے مل جاتا ہے تو بس وہ کافی ہے۔ مزید ثبوت کی ضرورت نہیں۔

قربانی ابتداءً آفرینش سے جاری ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ ارشاد باری ہے: **إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا (مائدہ)** جب دونوں نے قربانی پیش کی تو ان دونوں میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی۔ ایک اور جگہ ارشاد باری ہے:

**الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَنْ لَا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّن قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالْذِّكْرِ فَلَمَّا قَتَلْتُمُوهُمْ إِنَّ كُنتُمْ صَادِقِينَ۔**

ان لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جس کو آگ کھا جائے کہہ دو کہ مجھ سے پہلے رسول، معجزات کے ساتھ تمہارے پاس آئے اور وہ قربانی بھی پیش کی جس کا تم مطالبہ کرتے ہو تو پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



یعنی گزشتہ انبیاء کے زمانہ میں ایسی قربانی کا دستور تھا کہ قربانی کی اشیاء کو ایک جگہ رکھ دیا کرتے تھے۔ آگ آتی تھی اور ان اشیاء کو جلا دیا کرتی تھی۔ یہ قربانی کے قبول ہونے کی علامت تھی۔

لیجئے قرآن مجید سے ایسی قربانی کا ثبوت ملتا ہے جس کا مادی فائدہ کچھ نہیں بلکہ کلیۃً مال کی بربادی ہے اور کچھ نہیں۔ اب ہماری موجودہ قربانی کا جائزہ لیجئے کہ اس میں کتنے مادی فوائد ہیں۔

(۱) دولت کی گردش یعنی موجودہ معیشت کا اہم تقاضا۔ (۲) دولت کا سرمایہ داروں کی جیب سے نکل کر غرباء کے ہاتھوں میں منتقل ہونا اور غرباء کا ذریعہ معاش بننا۔ (۳) مویشی کی افزائش نسل کی حوصلہ افزائی اور اس کے ضمن میں دودھ، دہی، گھی وغیرہ کی پیداوار میں اضافہ۔ (۴) چرم سازی کے کارخانوں کے لئے خام مال کی فراہمی۔ (۵) جوتے اور دوسری چرمی صنعتوں کا فروغ۔ (۶) چرمی اشیاء کی برآمد اور زر مبادلہ کا حصول۔ (۷) کھالوں کی برآمد اور کثیر زر مبادلہ کا حصول۔ (۸) ادن کی پیداوار میں اضافہ اور اس کی برآمد سے زر مبادلہ کا حصول۔ (۹) مندرجہ بالا صنعتوں اور برآمدی کاروبار میں ہزار ہا افراد کو روزگار مہیا ہونا۔ (۱۰) گوشت کی بہت بڑی مقدار کا غرباء کے حصہ میں آنا اور ان کی عید کی خوشی کا دوبا ہونا۔ **تِلْكَ عَشْرَةٌ** **کَامِلَةٌ** غرض یہ کہ قربانی سے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اگر کسی کو یہ فوائد نظر نہ آئیں تو اس کا کیا علاج ہے۔

مادی عینک سے ہر چیز کو دیکھنے والوں کے لئے ہم نے مادی فوائد کا ذکر کیا تاکہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ اسلام کے ہر حکم میں متعدد مصالح مضمر ہیں اور اسلام ہی وہ نظام معیشت پیش کرتا ہے جس میں بے پایاں خیر و برکت ہے ورنہ اگر قربانی میں یہ مادی فوائد نہ بھی ہوتے تب بھی ہم اسے اسی ولولہ سے انجام دیتے جس طرح گزشتہ انبیاء علیہم السلام قرآن کی بیان کردہ قربانی دیا کرتے تھے اور ان کو قطعاً اس کے مادی نقصان کی پرواہ نہیں ہوا کرتی تھی۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ رضوانِ الہی اور روحانی فائدہ جہاں مقصود ہو وہاں مادی نقصان تو کیا جانی نقصان کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی اور ہم قربانی روحانی فوائد کے لئے ہی کرتے ہیں نہ کہ مادی فوائد کے لئے۔

### منکرینِ حدیث کے لئے درسِ عبرت:

منکرینِ حدیث ذرا اٹھنڈے دل سے سوچیں کہ قرآن تو اس قربانی کا ثبوت پیش کرتا ہے جو کلیۃً ضائع ہو جاتی ہے۔ حدیث میں اس قربانی کا ثبوت ہے جو مادی فوائد سے مالا مال ہے۔ اگر حدیث پر اعتراض ہے، حالانکہ وہ غلط اعتراض ہے تو کیا اس طرح کا اعتراض قرآن پر نہیں ہو سکتا؟ معلوم نہیں یہ لوگ قرآن پر اعتراض کیوں نہیں کرتے تاکہ ان کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے اور جاہل عوام دھوکا نہ کھائیں۔ یہ لوگ قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں تاکہ عوام ان کو مسلمان اور قرآن کا وفادار سمجھیں، حالانکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے قرآن مجید کے ساتھ جو کھیل یہ کھیل رہے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ تحریفِ معنوی کی بڑی ہی مکروہ مثال ہے جس نے پورے اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے اور فریب خردہ مسلمانوں کو ڈارون اور مارکس کی گود میں ڈال کر الحاد اور سوشلزم کے لئے راہ ہموار کر دی ہے۔

اے علمبردارانِ قرآن و حدیث! سوچئے یہ فتنہ کس قدر خطرناک ہے۔ لیکن آپ کی حیثیت محض خاموش تماشائی کی ہو کر رہ گئی ہے۔ خدارا اُٹھیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور تمام فتنوں کے مقابلہ کے لئے سینہ سپر ہو جائیے۔ اگر اب بھی آپ ہوشیار نہیں ہوئے تو آئندہ نسل اس فتنہ انکار حدیث کا بری طرح سے شکار ہو جائے گی اور ان کی گمراہی کی پوری ذمہ داری آپ پر عائد ہوگی۔ بتائیے میدانِ محشر میں آپ کیا جواب دیں گے؟

## تعمیر انسانیت

جناب محمود احمد

اس جہان رنگ و بو میں کروڑوں نہیں اربوں انسان زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مسلم بھی اور غیر مسلم بھی، نیک بھی اور بد بھی، ظالم بھی آباد ہیں اور مظلوم بھی، جاہل افراد بھی موجود ہیں اور دانش مند بھی۔ مگر اس دور میں نیکی کی بجائے بدی کا، عدل و انصاف کی بجائے ظلم و تشدد کا اور امن و آشتی کی بجائے جہالت و بربریت کا غلبہ ہے۔ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ بے حیائی اور فحاشی نقطہ عروج تک پہنچی ہوئی ہے۔ اقدار مٹ رہی ہیں، عزتیں لٹ رہی ہیں اور عصمتیں داغدار ہو رہی ہیں۔ خصوصاً مسلمان قوم آج ذلت و رسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتی چلی جا رہی ہے۔ دیگر اقوام اسے ترنوالہ سمجھ کر ہڑپ کرنے کا عزم کیے ہوئے ہیں۔ انسانیت خوابیدہ ہے، اسے بیدار کرنے کی ضرورت ہے، دل مردہ ہو چکے ہیں، ان میں زندگی کی لہر دوڑانا گزیر ہے، دل بے شمار بیماریوں کا شکار ہیں، ان کا علاج از بس ضروری ہے۔

دل کو جسم انسانی میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے جو کیفیت دل کی ہوتی ہے اعمال اسی کی ترجمانی کرتے ہیں۔ دل میں فساد و بربریت ہو تو اعمال سے یقیناً زندگی ٹپکے گی اور اس کے برعکس اگر دل میں امن و آشتی کے جذبات ہوں تو اعمال سے محبت و الفت کے زمزمے پھوٹیں گے۔ اسی لئے تو آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**أَلَا فِي الْجَسَدِ مُضْغَةٌ إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ**

کہ جسم انسانی میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو جسم کے تمام اعضاء درست کام کرتے ہیں۔ جب اس میں خرابی پیدا ہوتی ہے تو تمام جسم میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

خبردار! وہ گوشت کا ٹکڑا انسانیت کا دل ہے۔

تعمیر انسانیت کے لئے سب سے پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ دل میں زندگی پیدا کی جائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زندہ دلی سے مراد کیا ہے؟ کیا اس دل کو زندہ نہیں کہا جائے گا جو معمول کے مطابق حرکت کرتا ہو اور جو دوسرے اعضاء کو باقاعدگی سے خون پہنچاتا ہو؟ زندہ دلی اسی کا نام ہے تو پھر اس کائنات میں کس کا دل مردہ ہے؟

اس سوال کا جواب میں اپنی طرف سے نہیں بلکہ علامہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے افادات سے دوں گا۔ جس سے یہ چیز کھل کر سامنے آجائے گی کہ زندہ دلی سے مراد کیا ہے؟

وہ تہذیب الایمان میں لکھتے ہیں کہ:

”دل تین قسم کے ہیں۔ قلب سلیم (زندہ دل)، قلب میت (مردہ دل)، قلب مریض (بیمار دل)“

قلب سلیم یعنی زندہ دل کی تعریف انہوں نے ان الفاظ میں کی ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اَلَّذِي سَلِمَ مِنْ كُلِّ شَهْوَةٍ تُخَالِفُ اَمْرَ اللّٰهِ وَمَنْهِيْهِ

یعنی زندہ دل وہ ہوتا ہے جو ہر اس خواہش سے پاک ہو جو اللہ تعالیٰ کے حکم امتناعی اور اثباتی کے مخالف ہو۔

مزید برآں لکھتے ہیں:

فَسَلِمَ مِنْ عُبُوْدِيَّةٍ مَا سِوَاہٖ فُخِّلَ بِہٖ مَحَبَّتِہٖ وَخَوْفِہٖ وَرَجَائِہٖ وَالتَّوَكُّلِ عَلَیْہِ وَالْاِثَابَةِ اِلَیْہِ وَالْاِثَارِ مَرْضَاتِہٖ فِي كُلِّ

حَالٍ وَالتَّبَاعِدِ مِنْ سَخَطِہٖ اِنْ اَحَبَّ اَحَبَّ فِي اللّٰهِ وَلَیْنَ اَبْغَضَ اَبْغَضَ فِي اللّٰهِ وَلَیْنَ اَعْطٰی اَعْطٰی بِہٖ وَلَیْنَ مَنَعَ مَنَعَ بِہٖ

یعنی زندہ دل وہ ہوتا ہے جو اللہ رب العزت کی بندگی کے سوا ہر کسی کی بندگی سے محفوظ ہو جس میں اللہ تعالیٰ سے محبت اور ڈر۔ اسی سے امید اور

اسی پر بھروسہ پورے اخلاص کے ساتھ پایا جائے جو ہر حالت میں اسی کے حضور بچھے، اسی کی رضا کو ترجیح دے۔ جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے دور بھاگے۔

اگر کسی کو پسند کرے تو خدا کے لئے اور اگر ناپسند کرے تو بھی خدا کے لئے۔ اگر کسی کو دینے کا جذبہ پیدا ہو تو اپنے رب کو خوش کرنے کے لئے اور اگر

کسی کو نہ دینے کا ارادہ ہو تو بھی اسی کی مرضی کے مطابق۔

علاوہ ازیں زندہ دل میں یہ اوصاف بھی پائے جاتے ہیں مثلاً حیا، پاکیزگی، صبر و تحمل، شجاعت، غیرت، خودی، نیکی سے محبت اور برائی سے نفرت۔

جس دل میں یہ خوبیاں پائی جائیں، اس میں ایک نور، ایک چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسا دل درحقیقت تجلیاتِ الہی کا مرکز ہوتا ہے۔ ایسے دل پر انوارِ

الہیہ کی بارش ہوتی ہے۔ اس حالت میں یہ محض ایک گوشت کا لوٹھرا نہیں ہوتا بلکہ نورانیت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بن جاتا ہے۔ جس سے محبت و

الفت، امن و آشتی، رحمت و رافت، صبر و تحمل اور ہمت و شجاعت کے بخارات اُٹھتے ہیں اور رفعت و سر بلندی کے بادل بن کر ہر سو پھیل جاتے ہیں۔

جن سے علم و حکمت اور عقل و دانش کی ایسی بارش ہوتی ہے کہ مردہ دلوں کے لئے حیات نو کا پیام لاتی ہے اور پیاسے دلوں کو سیراب کرتی ہے۔ چنانچہ

زندگی کا صحیح معنوں میں لطف اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اپنے سینے میں ایسا دل رکھتا ہے جو مذکورہ بالا خوبیوں سے متصف و مشرف ہو۔ لہذا ہم میں

سے ہر ایک کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے دل کا جائزہ لے اور یہ دیکھے کہ ان میں سے کون کون سی چیزوں میں موجود ہے اور کون کون سی چیز سے دل محروم

ہے۔ جو چیز موجود ہے اس کو مستقل بنایا جائے اور جس چیز سے محرومی ہے، اس کو پیدا کیا جائے ورنہ انسانیت کی تعمیر ممکن نہیں۔

آج مسلم قوم کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ اس معیار کا صاحب دل عنقا ہے۔ ہر سو جہالت و مردہ دلی کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جب تک یہ چیز

ختم نہیں ہوتی اس قوم کو سرخروئی نصیب ہو سکتی۔ حافظ ابن قیمؒ نے تو مردہ دل انسانوں کو حقیقی مردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا مِنْ اَحْسَنِ التَّشْبِيْهِ لِاَنَّ اَبْدَانَهُمْ قُبُوْرٌ قُلُوْبُهُمْ فَقَدْ مَاتَتْ قُلُوْبُهُمْ وَقَبَّرَتْ فِيْ اَبْدَانِهِمْ

کہ یہ ایک بہترین تشبیہ ہے اس لئے کہ ان کے بدن ان کے دلوں کی قبریں ہیں۔ دل مر گئے ہیں اور انہیں ان کے ابدان میں دفن کر دیا گیا ہے۔

یہاں پر مردہ دلی سے مراد یہ نہیں کہ ان دلوں کی حرکت یا دھڑکن بند ہو گئی ہے بلکہ اس سے مراد وہ دل ہیں جن میں مذکورہ چیزوں میں سے کوئی

چیز نہ پائی جائے، جن پر جہالت و نحوست کی تہیں جمی ہوں اور جن میں زندگی پیدا کرنا صرف اسی طور ممکن ہے کہ مذکورہ اوصاف ان میں بتدریج پیدا

کیے جائیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

”جس طرح لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے بعینہ انسانی دل بھی زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا، یا رسول اللہ ﷺ! دل کو صیقل کرنے یا اسے جلا بخشنے کا طریقہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ رب العزت کا تصور اور ہر آن اس کی یاد دلوں کو جلا بخشتی ہے اور ان میں نورانیت پیدا کرتی ہے۔“

غرضیکہ جو اپنی خواہیدہ انسانیت کو بیدار کرنا چاہتا ہے، اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے دل کا جائزہ لے اور بتدریج اصلاح کی کوشش کرے ورنہ بصورت دیگر انسان اور حیوان میں کوئی بنیادی فرق نہ ہو گا اور ایسا انسان ”ثُمَّ رَدَّ ذَنَّهُ اسْفَلَ سَافِلِينَ“ اور ”أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ“ کے زمرے میں آجائے گا۔

- تو کیا ہماری تخلیق کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم کھائیں پئیں اور مرجائیں؟
  - کیا اس کائنات میں ہم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی؟
  - کیا ہمیں کسی ضابطہ اخلاق کی ضرورت نہیں؟
  - کیا ہم انسان ہیں؟ کیا ہم اشرف المخلوقات ہیں؟
  - کیا ہمیں ”خليفة الارض“ بننے کا شرف حاصل ہے؟
  - اگر ہے تو کیوں؟
- مسلمانو! ذرا اپنے دلوں کا جائزہ لو۔ دماغوں سے سوچو اور میرے سوالات کا جواب دو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

## قومِ نوح

مولانا عزیز زبیدی

قسط نمبر ۲

### دیوانہ کہنے کے اسباب:

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان اہل ہوش، اہل بصیرت اور عظیم ہستیوں کو دنیا دیوانہ کہنا کیوں شروع کر دیتی ہے۔ اگر کسی بدنیت عیار نے بدنیتی سے یہ تہمت تراش لی ہوتی ہے تو دوسرے اسے کیوں باور کر لیتے ہیں۔ دراصل اس کے متعدد اسباب اور وجوہ ہیں:

1. جو غلط باتیں ان میں رواج پا کر مسلمات کا درجہ اختیار کر لیتی ہیں۔ ان کے خلاف جب کوئی مصلح آواز بلند کرتا ہے تو دنیا کو شبہ ہونے لگتا ہے کہ جس نے ساری دنیا سے الگ راہ اختیار کی ہے۔ ہونہ ہو یہ فتور عقل کا نتیجہ نہ ہو۔
2. فوائدِ عاجلہ اور دنیاوی مفاد پر لات مار کر جو حق کی راہ پر پڑ جاتے ہیں تو دنیا کے نزدیک یہ بھی بے عقلی کی بات ہوتی ہے کیوں کہ دنیا کا دستور یہ ہے کہ دنیا بناؤ خواہ کسی طرح بنے۔
3. حصولِ مقصد کے سلسلہ میں انبیاء کرام علیہم السلام میں شدید قسم کا انہماک، مگن اور بیچ و تاب پایا جاتا ہے۔ جب دنیا ان کی اس وارفتگی اور سرمستی کا نظارہ کرتی ہے تو اس کو دھوکا ہونے لگتا ہے کہ شاید (العیاذ باللہ) ان کے ہوش ٹھکانے نہیں رہے۔
4. پاک نفوس، اہل دنیا کے کریمہ مشاغل اور آوارہ محفلوں سے بھی الگ تھلگ رہتے ہیں۔ اس لئے دنیا کو شبہ ہونے لگتا ہے کہ جو لوگ متداول قسم کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے سے کتراتے ہیں، شاید وہ ذوق و شعور سے ہی محروم ہیں۔
5. عوام ہر بات کو آباء و اجداد کے موروثی تعامل کے پیمانوں سے لینے کے عادی ہوتے ہیں۔ جب کوئی مصلح ان سے بالاتر ہو کر انکی بے عقلی کی باتوں اور غلط رسومات پر تبصرے کرتا ہے تو وہ چلا اٹھتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ سارے غلط راہ پر ہوں اور یہ تنہا آدمی ہوش میں ہو۔

6. ویسے بھی وہ طبقہ جو جاہ و حشمت اور مال و دولت کے لحاظ سے قوم میں کمزور ہوتا ہے۔ دنیا اس کو حقارت کی ہی نگاہ سے دیکھتی ہے اور ان کی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتی۔ ہاں اگر کوئی دھن دولت والا، بوالفضل بکواس ہی کر رہا ہو تو لوگ واہ واہ ہی کرتے ہیں۔

### دل کے اندھے:

گو ان کے سروں میں آنکھوں کے گڑھے موجود تھے لیکن دل کی دنیا اس سے کلیہً محروم تھی۔ وہ قوم بصیرت کھو چکی تھی، نابینا دلوں کی بہتات تھی۔ عناد، رسومات اور تقلیدِ آباء کے پردے ان کی آنکھوں پر چھا گئے تھے۔

بیشک وہ لوگ دل کے اندھے تھے۔ اِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمٰیْنِ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنْتُ عَلَىٰ بَيْنَيْكُمْ مِنْ رَبِّي وَآتَيْنِي رَحْمَةً مِنْ عِنْدِهِ فَعَبَّيْتُ عَلَيْكُمْ أَنْلَزْتُ مَكْمُوهَهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كِرْهُونَ۔

(حضرت) نوحؑ نے کہا کہ اے میری قوم! دیکھو تو سہی۔ اگر میں اپنے پروردگار کے کھلے رستے پر ہوں اور مجھ کو اس نے اپنی جناب سے نعمت (پیغمبری) عطا فرمائی ہے پھر وہ راستہ تم کو دکھائی نہیں دیتا تو کیا ہم اس کو زبردستی تمہارے گلے مڑھ رہے ہیں اور تم (ہو کہ) اس کو ناپسند کیے جاتے ہو۔

پیغمبر خدا سے مخول:

كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأَ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ

جب کبھی ان کی قوم کے سرکردہ لوگ ان کے پاس سے گزرتے تو وہ ان کا تمسخر کرتے۔ یہ مکروہ مشغلہ عوام کا نہیں تھا بلکہ منتخب (ملاء) لوگوں کا تھا جس قوم کے منتخب لوگ ایسے ہوئے ان کے عوام کی پستی کا خود اندازہ فرمائیں۔ جس تمسخر اور مخول سے غرض کسی کی تحقیر اور تذلیل ہو۔ وہ ہر حال میں برا ہے۔ خواہ کسے باشد۔ اگر یہ صورت خدا اور اس کے رسول اور اس کی آیات کے سلسلہ میں بھی پیدا ہو جائے تو اس کی سنگینی کا اندازہ خود فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبَا اللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ۔

اگر آپ ان سے پوچھیں (کہ یہ کیا حرکت تھی) تو وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنس کھیل کر رہے تھے (اے نبی!) ان سے کہہ دو کہ ہنس کھیل کرنی تھی تو خدا ہی کے ساتھ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ؟ (افو!)

مکرو فریب:

قومِ نوح میں یہ مرض بھی جڑ پکڑ گیا تھا کہ وہ بہت بڑے مکار اور دغا باز تھے اور اس کے اتنے دھنی نکلے کہ خدا اور اس کے رسولوں سے فریب کرتے ہوئے بھی نہیں شرماتے تھے۔

وَمَكْرُؤًا مَكْرًا كُبَّارًا اور وہ (مکرو دغا کی) بڑی بڑی چالیں چلے۔

مکرو فریب دھوکا اور دغا ہمیشہ ان غلط کار افراد کا شیوہ ہوتا ہے جن کے ترکش حیات میں سچائی، اور خیر کا کوئی قابل کشش تیر نہیں ہوتا۔ وہ راست روی کے ذریعے عوام کا دل جیتنے اور حق لے کر بر ملا چلنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ بس وہ میدانِ زندگی میں چور بن کر اترتے ہیں اور چوروں کا سپارٹ ادا کر کے رفوچکر ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے جس قوم کے ہونہار لوگوں کا یہ وطیرہ ہو گا، وہ ساحلِ عافیت سے کیسے ہمکنار ہو سکے گی؟ ایک اور مقام پر قرآن کریم نے اس ذہنیت کے لوگوں کا یوں ذکر فرمایا ہے:

يُخٰدِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وہ اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں۔

الغرض جس قوم یا افراد کی فطرت میں یہ مرض نشہ بن کر رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے۔ وہ بد نصیب اس کی کمندیں خدا پر بھی ڈالتے ہوئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نہیں شرماتے۔

**کٹ حجتی:**

ان مکار اور دغا بازوں کی یہ کوشش بھی رہی کہ گلا پھاڑ پھاڑ، چلا چلا کر اور جھگڑ جھگڑ کر کسی طرح حق اور اہل حق کو ہر اسماں کیا جائے تاکہ وہ ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیں۔ حق کی آواز کو دبا دیا جائے اور اوجھے ہتھکنڈوں کے ذریعے حق کی رونق اور بہار کو اس سے چھین لیا جائے۔ فرمایا:

**وَجَادِلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ**

اور جھوٹی باتوں سے (سند پکڑ کر پیغمبر سے) جھگڑے تاکہ اپنی کٹ حجتی سے حق کو (اپنی جگہ سے) لڑکھڑا دیں۔

**جھڑکیاں:**

اللہ والوں کو جھڑکیاں اور دھمکیاں دینا عام دستور ہے تاکہ وہ حق کی بات کہنے سے باز رہیں۔ چنانچہ قوم نے حضرت نوح علیہ السلام سے بھی یہی معاملہ کیا تھا:

**فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ**

(انہوں نے نوح کے بارے میں) کہا: (یہ) دیوانہ ہے اور انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور ان کو جھڑکیاں دی گئیں۔

**سنگسار کرنے کی دھمکیاں:**

وہ بولے، اے نوح! اگر تم باز نہ آؤ گے، تو سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔

**قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَنُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ**

غور فرمائیے! جو خود مجرم ہیں اور کسی بڑی سے بڑی سزا کے لائق ہیں، وہ معصوم اور پاک لوگوں کو سنگسار کرنے کی دھمکیاں دیتے ہیں۔

**اذیتیں دیں:**

معاملہ صرف دھمکیوں تک محدود نہ رہا بلکہ ان ظالموں نے سچ مچ ان کو سخت اذیتیں بھی دیں۔

اور ہم صبر کریں گے ایذا پر جو تم ہم کو دیتے ہو۔

**وَلَتَصْبِرَنَّ عَلَى مَا أَدْبَتُمُونَا**

**ایک اور گستاخی:**

حضرت نوح علیہ السلام ان کو حق کی تبلیغ کرتے ہیں، لیکن اشیاء اٹھتے ہیں اور آپ کا ہاتھ منہ پر رکھ دیتے ہیں تاکہ آواز نکلے ہی نہیں۔

انہوں نے ان کے ہاتھ (پکڑ کر) ان کے منہ پر لوٹا دیئے۔

**فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ**

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

## ارتداد یا جلاطنی:

ان ظالموں نے انبیاء کرام علیہم السلام سے کہا کہ:

”میاں جی! زیادہ بزرگی نہ جتاؤ۔ بس دو باتوں میں سے ایک پسند کر لو۔ ہمارے ساتھ گھل مل جاؤ ورنہ جلاوطنی کے لئے تیار ہو جاؤ۔“

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلرُّسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُوْدَنَّ فِي مِلَّتِنَا

اور منکروں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تم کو اپنے ملک سے ضرور نکال باہر کریں گے یا تم پھر ہمارے مذہب میں آ جاؤ گے۔

## اقتدار اور جاہ طلبی کا الزام:

نیک لوگ، نیکی کی راہ اختیار کرنے کا درس دیں تو بد لوگ ان کو یہ طعنے دیتے ہیں کہ، یہ تو اقتدار چاہتے ہیں۔ لیکن ان سے یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ بہ فرضِ محال ایسا ہو بھی تو کیا برا ہے۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ اقتدار نیک لوگوں کے ہاتھ میں ہو۔ بہر حال حضرت نوح علیہ السلام کو آپ کی قوم نے یہ طعنے بھی دیئے کہ:

يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ

وہ (تو) تم پر برتری چاہتا ہے۔

یہی کچھ آج بھی ہو رہا ہے۔ یہ مرض جس قدر پرانا ہے اتنا عام بھی ہے۔ واللہ

## کمزوروں کی تحقیر:

کمزور قابلِ رحم ہتے ہیں، لائقِ تحقیر نہیں ہوتے مگر قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کو اس امر کے طعنے دیئے کہ، آپ کے ساتھ تو معمولی قسم کے لوگ ہیں:

وَمَا نَرَكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ

اور ہمارے نزدیک صرف وہی لوگ تمہارے پیچھے چلے ہیں جو ادنیٰ درجے کے ہیں۔ ہم تو تم لوگوں میں اپنے سے کوئی برتری نہیں پاتے۔

قَالُوا أَنْتُمْ مِّنْ لَّكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ

انہوں نے کہا کہ کیا ہم آپ پر ایمان لے آئیں حالانکہ صرف ادنیٰ درجے کے لوگوں نے آپ کا اتباع کیا ہے۔

چونکہ پیسے کے اعتبار سے یہ پاک نفوس کمزور تھے۔ اس لئے یہ قوم ان کو ادنیٰ درجے کے لوگ قرار دیتی تھی بلکہ ان کی حقیر کا یہ رنگ اس قدر تیز ہو گیا تھا کہ وہ یہ بھی کہنے لگے کہ اللہ میاں کی نگاہ میں بھی یہ حقیر لوگ ہیں۔ ورنہ ان کو بھوکا ننگا کیوں رکھتا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کو ان سے یہ کہنا پڑا کہ:

وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَن يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ حَيَاتًا

اور جو لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں میں ان کی نسبت یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ خدا ان پر (اپنا) فضل کرے گا ہی نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

## کمزوروں کو دھکے دے کر نکالنا:

وہ چاہتے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام ان کو دھکے دے کر اپنے ہاں سے نکال دے۔ آپ نے فرمایا:

يَقُومِ مَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنَّ طَرْدَهُمْ

اے بھائیو! اگر میں ان (غریب اور کمزوروں کو) دھکے دے کر نکال بھی دوں تو اللہ کے مقابلے میں کون میری مدد کرے گا۔

## میرے یہ دعوے نہیں:

خود میں بھی خدائی خزانوں کا ملک نہیں، نہ مجھے کل کا کچھ پتہ ہے کہ کیا بنے گا یا کیا ملے گا۔ نہ ہی یہ میرا کوئی دعویٰ ہے کہ میں فرشتہ اور نوری مخلوق ہوں۔ اس لئے ضروریاتِ زندگی کا محتاج نہیں ہوں۔ یا اپنے کو نوری سمجھ کر ان خامیوں سے دور ہوں۔

وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ

اور میں تم سے دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس خدائی خزانے ہیں اور (نہ میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں غائب جانتا ہوں اور نہ ہی میں) اپنی نسبت) کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

## یہ جھگڑا لو ہے:

معقول جواب سے عاجز آکر ایسے لوگ عموماً یوں بولا کرتے ہیں کہ:

”یہ ملاں بڑا جھگڑا لو ہے۔“ یا کہیں گے۔ ”میاں! جا جا، جو سانپ نکالنا ہے نکال کر لے آ۔ تیری بزرگی کا ہمیں پتہ ہے۔“

يُؤُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَآتِنَا فَكُثِّرَتْ جِدَالُنَا فَآتِنَا بِمَا تَعِدُنَا

اے نوح! تو ہم سے جھگڑا اور بہت ہی جھگڑ چکا، تو جس (عذاب) سے ہمیں ڈراتا ہے اس کو لے ہی آ۔

حضرت نوح علیہ السلام جب ان سے تنگ آگئے تو ان سے فرمایا:

إِنِّي آتِيكُمْ بِهِ إِنَّ شَاءَ مَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ

أَنْ يَغْوِيَكُمْ

خدا کو منظور ہو گا تو وہی عذاب کو بھی تم پر لا نازل کرے گا (پھر) تم (اسکو) ہرا (بھی) نہ سکو گے۔ اور میں تمہاری (کتنی ہی) خیر خواہی کرنی چاہوں، اگر خدا ہی کو تمہاری گمراہی منظور ہے تو میری نصیحت (کچھ بھی) تمہارے کام نہیں آسکتی۔

اس پر خدا نے بھی حضرت نوح سے کہہ دیا کہ:

أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ

تمہاری قوم میں جو ایمان لا چکے ہیں۔ ان کے سوا اب ہر گز کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ تو جیسی جیسی بدگرواریاں یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔ آپ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پر غم نہ کریں۔

پھر فرمایا:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الدِّينِ ظَلَمُوا ج إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ

(اب) آپ ہماری نگرانی میں اور ہمارے ایماء کے مطابق ایک کشتی بنا چلو اور ان ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ عرض معروض نہ کرنا یہ لوگ ضرور غرق ہوں گے۔

اس کے بعد طوفانِ نوح کے وہ مراحل پیش آئے، جو کافی معروف و مشہور ہیں۔ بہر حال اس مختصر سے خاکے میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو اس وقت ہمارے اندر بھی ابھر رہی ہیں۔ اگر آپ لوگ ہوش میں نہ آئے اور ان کو کنٹرول نہ کیا تو پھر کون ہے جو اس قوم کو ان نتائجِ بد سے بچا سکے گا جو کارستانیوں کا قدرتی نتیجہ ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مدینہ منورہ

عبدالرحمن عاجز

|   |                                      |
|---|--------------------------------------|
| آنکھوں میں لیے حسرت دیدارِ مدینہ        | مر جائے نہ یونہی کہیں بیمارِ مدینہ   |
| نکلے گی یونہی حسرت دیدارِ مدینہ         | آنکھیں ہوں مری روزِ دیوارِ مدینہ     |
| سرشار چلے جاتے ہیں سرشارِ مدینہ         | آنکھوں میں لیے حسرت دیدارِ مدینہ     |
| طیبہ سے اُنھیں جھوم مخمور گھٹائیں       | اور جامِ بکف ہو گئے مے خوارِ مدینہ   |
| بھر آتا ہے دل، درد سا اُٹھتا ہے جگر میں | سنتا ہوں میں جس وقت بھی اذکارِ مدینہ |
| سینے سے لگالوں اسے آنکھوں میں چھپالوں   | جس کے لبِ خنداں پہ ہو گفتارِ مدینہ   |
| پھر وجد میں آجوں میں، جھوم اُٹھے مرادل  | لابادِ صبا لا کبھی اخبارِ مدینہ      |
| دیتے ہیں دوائیں مجھے بیمار سمجھ کر      | یہ کس کو خبر مجھ کو ہے آزارِ مدینہ   |
| بسل کی طرح پھر ہے تڑپنے کی تمنا         | پھر خواب میں آجائے وہ دلدلِ مدینہ    |
| ہے قربتِ محبوب پس مرگ بھی حاصل          | اللہ رے خوش بخشی انصارِ مدینہ        |
| ہم بھی ہوں کبھی تیری طرح بادیہ پیا      | اے راہرو، اے راکبِ رہوارِ مدینہ      |
| اس عاجز بے کس کو بھی ساتھ اپنے تو لے چل |                                      |
| محسن مرے، اے قافلہ سالارِ مدینہ         |                                      |

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



## چند عام کاروباری بیماریاں

انسان کو اپنا پیٹ پالنا، تن ڈھکنا اور بچوں کی پرورش کا بوجھ اٹھانا ہے اس لئے اس کو کاروبار کرنا پڑتا ہے۔ کاروبار ایک جائز ضرورت ہے۔ اگر جائز طریقے سے کیا جائے تو یہ عبادت بھی ہے۔ اگر ناجائز ہتھکنڈے استعمال کئے جائیں تو گناہ بھی ہے اور حرام بھی۔ اس لئے ہم ذیل میں چند ایک دن موٹی موٹی کاروباری بیماریوں اور مفاسد کا ذکر کریں گے جن سے عامہ خلافت غافل ہے۔

### قسمیں کھانا:

قسمیں کھانے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ گاہک چیز خرید لے اور اس کی عموماً اس وقت ضرورت پڑتی ہے جب دال میں کالا ہوتا ہے۔ اس لئے رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

قال رسول الله ﷺ إِيَّاكُمْ وَالْحَلْفَ فِي الْبَيْعِ كَأَنَّهُ يَنْفَقُ ثُمَّ يَمْحَقُ (ابن ماجہ عن ابی قتادۃ - کتاب البیوع)  
اپنے بیع میں قسم کھانے سے بچو۔ کیونکہ پہلے تو مال چلتا ہے پھر اس کی برکت جاتی رہتی ہے۔

صحیحین میں ہے الحلف منفقة للسلعة ومحقة للبركة (ابو ہریرہ)  
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ قیامت میں تین آدمیوں سے اللہ بات نہیں کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ہی ان کو پاک کرے گا۔

وَالْمُنْفِقُ سِلْعَةٌ بِالْحِلِّ الْكَاذِبِ (ابن ماجہ عن ابی ذر) (ایک وہ جو جھوٹی قسم کھا کر مال بیچتا ہے)۔  
یہ بیماری جتنی عام ہے وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے اور شرعاً اس کے جوہد نتائج ہیں وہ بھی اب آپ کے سامنے ہیں۔ آمدنی میں نہ برکت ہے اور نہ ہی مالدار کو اطمینان قلب نصیب ہے اور نہ ہی اس مال کے ذریعے ان کو کارِ خیر کی توفیق ہوتی ہے۔ اگر کوئی کرتا بھی ہے تو وہ بھی خدا سے کاروبار کرتا یا اس کو سیاسی فوائد کے حصول کا ذریعہ بناتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

### کچے باغ:

یہ ایک عام و باہل نگلی ہے کہ باغ ابھی کچے ہوتے ہیں اور ان کے سودے ہو جاتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔  
نہی رسول الله ﷺ عَنْ بَيْعِ الثَّمَارِ حَتَّى يَبْدُ وَصَلًا حَهَا نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُبْتَاعَ (بخاری و مسلم عن ابن عمر)  
حضور ﷺ نے پھلوں کے پکنے سے پہلے اس کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔ خریدنے اور بیچنے والے دونوں کو۔  
حضرت انس کی روایت میں حَتَّى يَبْدُو کے بجائے تَزْهُو آیا ہے۔ صحابی نے پوچھا کہ یہ زْهُو کیا ہے فرمایا: تَحْمَارٌ وَتَضْفَارٌ (بخاری و مسلم)  
(پھل پک کر) زرد یا سرخ ہو جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

**صَلَّاهَا** کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا **حَتَّى تَذْهَبَ عَاهُهَا** یہاں تک کہ نقصان کا اندیشہ نہ رہے۔

یہی حکم دوسرے کچے کھیتوں کا بھی ہے (ترمذی۔ ابوداؤد و صحیحین۔ انس) کہ آپ نے اس سے منع کیا ہے۔ کیونکہ کیا پتہ، آفات ناگہانی کا شکار ہو جائیں۔ پھر جھگڑا ہو گا یا خریدنے والا اُبڑے گا۔ بہر حال کوئی بھی صورت ہو، بری ہے، ناجائز ہے۔ اس لئے شریعت نے یہ قانون بنا دیا ہے کہ اگر وہ کپنے سے پہلے تلف ہو جائیں تو اتنا وضع کر لیا جائے۔

### بیعانہ:

شریعت میں بیعانہ بھی ناجائز ہے۔ بیعانہ سودے کی ایک گونہ ضمانت ہوتی ہے۔ کوئی سودا لے لے تو وہ قیمت میں شمار ہو جاتا ہے۔ نہ لے تو ضبط کر لیا جاتا ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال: نهى رسول الله ﷺ عن بيع الغربان (رواه مالك) یعنی حضور ﷺ نے عربان (بیعانہ) کی تجارت سے منع فرمایا ہے۔

### قیمت بڑھا کر خریدنا:

جہاں بولی ہوتی ہے، وہاں قیمت بڑھا کر چیز خریدنا جائز ہے لیکن یوں کر نہ کہ ایک کے ساتھ سودا ہو گیا ہے، دوسرا اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں ہے کہ فلاں سے پچاس روپے لئے ہیں میں اس کے ساٹھ دیتا ہوں۔ لہذا اس کو نہ دے، مجھے دے، ناجائز ہے۔

نہی رسول الله ﷺ عن البخش (بخاری مسلم عن ابن عمر)

آپ نے قیمت بڑھانے سے منع فرمایا ہے۔

اڑھت میں جو بولی ہوتی ہے یا چار آدمی جمع ہو کر کوئی چیز خریدتے ہیں، جب تک بیچنے والا کسی کی بولی پر سودا ختم نہ کرے قیمت بڑھائی جاسکتی ہے۔ ناجائز صورت صرف وہ ہے جہاں بات طے ہو جائے، پھر جا کر دوسرا اس کو گراہ کرے۔

بخش کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ خریدنے والے کی راہ مارے اور کہے کہ، اس سے نہ لے میں تمہیں اس سے بھی اچھی چیز دیتا ہوں۔ بہر حال یہ دونوں بیماریاں عام ہیں۔

### انجان کو دھوکا دینا:

ہوشیار لوگ سادہ لوح انسانوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور چرب زبانی کے۔ ذریعے ان کو گھیر لیتے ہیں اور حسب مشاغل کے ہاتھ چیز بیچ دیتے ہیں۔ یہ طریقہ بالکل ناجائز ہے ایسے سادہ لوح لوگوں کو حضور نے یہ سبق پڑھایا ہے کہ ایسے موقع پر یوں کہا کرو۔  
لَا خَلَابَةَ (بخاری، مسلم عن ابن عمر) دھوکہ والی بات نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس سے مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی انسان کو ٹھگ لے تو اس کو بعد میں اختیار رہتا ہے۔ چاہے تو سودا لوٹا سکتا ہے۔

### نقد اور ادھار پر مختلف بھاء:

جو گاہک نقد سودا خریدتا ہے اس سے کم قیمت لیتے ہیں اور جو شخص ادھار لیتا ہے۔ اس سے زیادہ پیسے چارج کرتے ہیں۔ یہ بھی منع ہے۔ ارشاد ہے۔

دعوا الربوا والریبۃ (دارمی وابن ماجہ عن عمرؓ)

”ربوا بھی چھوڑ دو اور ریبہ بھی۔“

ربو سود کو کہتے ہیں اور ریبہ وہ منفعت ہے، جس کے جائز ہونے کی شرعی حیثیت مشتبہ ہو۔ ویسے بھی ایک انسان کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی یہ ایک بدترین مثال ہے۔

## ”محدث“ معاصرین کی نظر میں

ماہنامہ ”فکرو نظر“ اسلام آباد جنوری ۱۹۷۱ء:

جماعت اسلامی کی مجلس التحقیق الاسلامی کا یہ پہلا شمارہ ہمیں برائے تبصرہ موصول ہوا ہے ادارہ عزیز زبیدی نے لکھا ہے، جس کا موضوع ہے: ”مسئلہ اہل حدیث کا ماضی اور حال“ یہاں ضمناً اتنا بتا دینا مفید رہے گا کہ جماعت اہل الحدیث خود کو صرف قال اللہ اور قال الرسول ﷺ کا پابند سمجھتی ہے۔ اس کا نعرہ ہے: ”الدین قال الله وقال رسوله۔“

وہ اپنی تاویل کے مطابق سنت پر کاربند رہنا ہی دین خیال کرتے ہیں۔ بقول شاعر

اہل الحدیث عصاۃ نبویۃ

ترضیٰ بقول المصطفیٰ وبفعلہ

یہ وہی جماعت ہے جس کی مساعی سے برصغیر پاک و ہند میں قرآن حدیث کی تعلیم کے مراکز کھلے دشمنان اسلام کے خلاف جہاد کا احیاء ہوا۔ اور فقہ جامد پر قائم رہنے والوں سے مناظرے اور مباحثے ہونے لگے، اور عوام پر یہ انکشاف ہونے لگا کہ دین براہ راست قرآن و سنت سے لیا جاتا ہے اور فقہی قوانین میں مسلسل تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم سرسری طور پر اس ادارہ کا جائزہ لیتے ہیں:

ادارہ شروع ہوتا ہے اور اس کا پہلا جملہ یہ ہے:

”سلف صالحین“ جماعت“ تو ضرور تھے لیکن ہماری ان کو تنظیم کی ضرورت نہیں تھی۔“

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ سلف صالحین فرشتے تھے؟ کیا وہ احکام الہی اور سنت نبی ﷺ کی پیروی سے چھٹی پاچکے تھے، قرآن مجید اور سنت نبویؐ تو جماعتی نظام اور تنظیم کی بار بار تاکید کرے اور جماعت کے لئے شوریٰ اور امیر کے حکم کی پابندی پر زور دے اور اصولوں پر پختگی سے قائم رہنے پر اصرار کرے لیکن ان حضرات کو تنظیم کی ضرورت نہ ہو؟

بھلا جماعت تنظیم سے خالی بھی ہو سکتی ہے اور جماعت بھی ان لوگوں کی جو رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کی اقتداء کرتی تھی، ایک راستہ پر ایک رخ کرتے ہوئے چلتی تھی، ”من شد في النار سے ڈرتی تھی، اعتصام بحبل اللہ کا مصداق تھی، جو ہر وقت دشمنوں کے افساد و کید سے چوکنا رہتی اور ”الصلوة جامعۃ“ کے اعلان پر شوریٰ کے لئے جمع ہو جاتی حسب استطاعت اپنی ذمہ داریوں کو نبھالاتی، صلوة و زکوٰۃ و حج کو اجتماعی صورت میں ادا کرتی کیا یہ سب باتیں علانیہ شاہد نہیں کہ سلف صالحین جماعت کی تنظیم کے حقائق و اسرار سے واقف تھے اور جماعت کے نظام میں، کسی قسم کا خلل گوارا نہ کرتے تھے، وہ نظم برقرار رکھنے کے لئے سعی و عمل کرتے تھے اور ”قدرتی تنظیم“ پر تنہا تقدیر نہ تھے۔“

اس کے بعد ادارہ کا دوسرا پیرایوں شروع ہوتا ہے:

اسلاف کے پاس ”فکر مربوط، وحدت عمل اور احساس بصیر، کی دولت وافر تھی اس لئے وہ سرگرم عمل بھی تھے اور تسبیح کے دانوں کی طرح منظم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بھی۔“

ناطقہ سرگرمیاں کہ اسے کیا کہیے؟ کیا ”فکر مربوط“ میں لفظ ”مربوط“ تنظیم کی غمازی نہیں کرتا؟ اور کیا ”وحدتِ عمل“ تنظیم سے خالی ہو سکتی ہے؟ پھر ”تبیح کے دانوں کی طرح منظم“ جماعت کا تنظیم سے خالی ہونا ممکن ہے؟ اس چوبالچی است؟؟

صفحہ ۷ پر ”کتاب و سنت کی غلامی“ نئی اصطلاح ہے جو نہ قرآن میں سے ہے نہ حدیث میں۔ اب تک تو جماعت اہل حدیث کے معتمد علیہ علماء غلام نبی، غلام رسول، غلام محمد، غلام احمد نام کو اسلام کی روح کے منافی قرار دیتے تھے اور ایسے نام بدل کر غلام اللہ کر دیا کرتے تھے، اس لئے کہ غلامی (عبادت) صرف اللہ کی ہوتی ہے۔ کتاب پر ایمان ہوتا ہے اور اس کے کام کا اتباع کیا جاتا ہے۔ صفحہ ۷ پر ایک پیرے میں لکھا گیا ہے: ”مسلمان صرف ’مسلم‘ ہے۔ تمام شخصی نسبتوں سے بالاتر اور کتاب و سنت کی غلامی کے لئے یکسو ہے۔ لیکن اس کے بجائے جب دوسری شخصی نسبتوں نے سر اٹھایا، اور حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اشعری، ماتریدی، چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی کہلانے لگے تو اہل حدیث نے سلفی اور محمدی کہلا کر دنیا کو عار دلائی الخ۔“ یہ عبارت حیرت انگیز تناقض و تضاد کا مرکب ہے۔ ہم اس منطق کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اہل حدیث نے اپنے آپ کو سلفی اور محمدی اس وقت کہا جب دوسروں نے اپنے آپ کو حنفی، شافعی وغیرہ کہا، ایک ہی سانس میں خود کو تمام شخصی نسبتوں سے بالاتر بتانے کے بعد پھر اسی سانس میں خود کو محمدی اور سلفی بھی کہہ ڈالا، کون نہیں جانتا کہ سلفی کہلانے اور شافعی، حنفی وغیرہ میں سے کوئی نسبت اختیار کر لینے میں کوئی فرق نہیں، امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہم سب ہی ہمارے سلف صالحین میں تھے۔ اور تنہا سلفی کی نسبت قبول کرنے سے تمام ائمہ و سلف صالحین کی عقیدت کا طوقِ شخصیات مجموعی طور پر اپنے گلے میں ڈال لیا جاتا ہے۔ بہتر یہ ہوتا کہ وہ اپنے سلفی یا محمدی کہلانے کی نسبت کو برحق قرار دینے کے لئے قرآن حدیث سے نص لاتے۔ بعد ازاں حدیث **”لا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق“** کا مصداق اہل حدیث کو بتایا گیا ہے۔ اور اس ضمن میں **”طائفة“** کی دوراز کار لفظی بحث کی گئی ہے جو غور سے دیکھا جائے تو خود جماعتِ اہل حدیث کے حق میں نہیں جاتی، ہمارے خیال میں جماعتوں کو عادی سے گریز کر کے مصلحتِ عوام اور انسانیت کے مفاد کے لئے زیادہ سے زیادہ کام کرنا چاہئے، عمل صالح سے اپنی عظمت و افادیت کا سکھ بٹھانا چاہیے، قرآن مجید کا صاف اعلان ہے:

**لیس بامانیکم ولا امانی اهل الكتب، من يعمل سوءً یجز به----**

”اغنیاء پر ماسکین و غرباء کی ذمہ داری“ سے معلق مولانا عبد الرؤف جھنڈا انگری نے مفید احادیث و آثار جمع کر دیئے ہیں۔ حافظ نذر احمد صاحب کا ”طبِ نبوی“ بھی فائدہ سے خالی نہیں، گوان کے بعض خیالات سے ہمیں اتفاق نہیں۔

اس رسالہ کی مجلسِ تحریر میں متعدد علماء کے علاوہ حافظ ثناء اللہ اور مولانا عبد السلام مدینہ یونیورسٹی کے فضلاء بھی شامل ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ ملک و قوم کے بنیادی مسائل پر قلم اٹھائیں اور جماعت (اہل حدیث کو تحقیق و اجتہاد کی دعوت دے کر ان کی ٹھوس خدمت کرنے کی طرف متوجہ ہوں، اللہ ہم سب کو کتاب اللہ پر اسوہ رسول کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

**محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ**



## بات جتنی سادہ ہے آپ نے اتنی بتنگڑ بنادی

مولانا عزیز زبیدی

معزز معاصر ”فکر و نظر“ کا مندرجہ بالا تبصرہ، زیر نظر ادارہ کے مندرجات سے کم تعلق رکھتا ہے، زیادہ تر اس کا تعلق اپنے مفروضات سے ہے۔ اس لئے تفصیلی جواب سے پہلے ہم قارئین سے درخواست کریں گے کہ ہمارے ادارہ کو آپ ایک بار اور پڑھ لیں، آپ کو اندازہ ہو جائے گا، کہ بات جتنی سادہ ہے، اتنا اس کو بتنگڑ کیوں بنادیا؟ (ملاحظہ ہو ”محدث“ دسمبر ۷۰ء ص ۹۳)

معزز معاصر کے تبصرہ کا حاصل یہ ہے۔

1. ہمارا یہ نظریہ غلط ہے کہ ”سلف صالحین“ جماعت تو تھے مگر ان کو تنظیم کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ تھی اور جتنے ارکان دین ہیں وہ اس پر شاہد ہیں کہ ان کی پشت پر تنظیم تھی۔

2. دوسری یہ کہ ہم نے اسلاف کو ”فکر مربوط“ ”وحدت عملی“ اور ”احساس بصیر“ کا حامل کہہ کر اپنے نظریہ کی تردید کر دی ہے کہ تنظیم نہیں تھی، گویا کہ بیان میں تضاد ہے۔

3. ”کتاب و سنت کی غلامی“ کی اصطلاح مسلک اہلحدیث کے مخالف ہے کیونکہ وہ ”اللہ کی غلامی کے سوا باقی ہر غلامی کو روح اسلام کے منافی تصور کرتا ہے۔

4. حنفی، شافعی جیسی نسبتوں سے جان چھڑائی کو چھوٹی پھر بھی نہیں کیونکہ سلفی کے معنی بھی وہی ہیں جو ایک شافعی اور حنفی کہلانے کے ہیں، کیونکہ سنت بھی و اشخاص ہی تھے۔

5. حدیث ”(لا تزال طائفة من امتی) کا مصداق اہلحدیثوں کو بتانا صحیح نہیں ہے، معاصر کے نزدیک یہ ایک ادعا ہے اور جماعتوں کو دعادی سے پرہیز کرنا چاہیے، دعویٰ سے نہیں، عمل صالح سے اپنی عظمت کا ثبوت مہیا کرنا چاہئے، گویا کہ اب کے ہمیں معاصر نے ”وعظ شریف“ فرمایا ہے۔

نمبر وار جتنے اعتراض آپ کے سامنے رکھے گئے ہیں، اگر ان کو ادارہ کے سیاق میں رکھ کر پڑھا جائے تو اعتراض کی صورت ہی پیدا نہیں ہوتی، ہاں وہاں سے اچک کر ان کا مشاہدہ کیا جائے تو یہ صرف اعتراض ہی نہیں بہت بڑی کافری بھی ہوگی۔ اس لئے ہم مکرر عرض کریں گے کہ قارئین ادارہ کو خود ایک دفعہ اور مزید پڑھ لیں ”ایک پنجابی کے محاورے کے مطابق ”سوگلاں دی گل جے اک“ اب آپ تفصیلی مگر مختصر لفظوں میں نمبر وار ان کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

1. ہم نے قطعاً یہ نہیں لکھا کہ اسلاف کو تنظیم کی مطلقاً ضرورت نہیں تھی یا ان میں تنظیم ہی نہیں تھی، بلکہ ہم نے یہ کہا تھا کہ ہماری طرح ان کو تنظیم کی ضرورت نہیں تھی۔ (ملاحظہ ہو ”محدث“ دسمبر ص ۳ سطر نمبر ۱)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

## بات جتنی سادہ ہے آپ نے اتنی بتنگڑ بنادی

”ہماری طرح“ پر غور فرمائیں گے تو اعتراض باقی نہیں رہے گا، کیونکہ آج کل جماعت سازی کے لئے بڑے پاپڑ پیلنے پڑتے ہیں۔ اس میں شخصی اور گروہی مصالح، اغراض اور تکلفات کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ بہر حال اسلاف کی تنظیم ”قدرتی“ تھی، مصنوعی نہیں تھی۔ ان کی جماعت، جماعت سازی کی مہم کی رہین منت نہیں تھی۔ اس لئے ہم نے اسے ”قدرتی تنظیم“ سے تعبیر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو، محدث ص ۳ سطر ۵)

2. اس میں بھی تضاد نہیں ہے بلکہ اس ”قدرتی تنظیم“ کا ذکر ہے جس کا نمبر میں ذکر کیا گیا ہے۔
3. ہمارے نزدیک کتاب اللہ کی طرح ”سنت رسول اللہ“ بھی وحی الہی ہے۔ وہ ”وحی متلو“ ہے اور یہ ”وحی غیر متلو“۔ وحی الہی ”منشا الہی“ کی ایک تعبیر ہے، جس کی غلامی ہمیں مطلوب ہے۔ لیکن معاصر فکر و نظر کو اس سے صرف اس لئے وحشت ہوئی ہے کہ ”ادارہ فکر و نظر کو“ حدیث اور سنت رسول ﷺ کے سلسلہ میں شرح صدر حاصل نہیں ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اعتراض نمبر ۳ کا محرک بھی یہی اقتباس ہے تو اس میں مبالغہ نہیں ہو گا، آپ بھی اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنے کی کوشش فرمائیں۔ اُمید ہے آپ بھی ہم سے اتفاق ہی کریں گے۔
4. سلفی والا اعتراض بھی خوب ہے، شاید موصوف ”سلفی“ کا مفہوم نہیں سمجھتے، ورنہ ”سلفی“ کو ”حنفی شافعی“ کے مترادف بالکل نہ قرار دیتے۔

ہمارے نزدیک سلفی سے مراد ”علی سبیل البدلیہ افرادِ اسلاف کی اتباع نہیں ہے بلکہ وہ جذبہٴ اصول اور وطیرہ ہے جس میں کتاب و سنت کی پیروی کے لئے کسی ”غیر نبی“ کی وساطت کو شرط اور وجہ کشش کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا اصل محرک قرآن حکیم اور اسوۂ حسنہ کی ذاتی کشش ہوتی ہے۔ کسی غیر مجوزہ فلسفہ اور حکمت کی سفارش نہیں ہوتی۔ اس انداز کو قرآن نے ”اتبع سبیل من اناب الی“ (پ: ۲۱: لقمان ع ۲) سے تعبیر کیا ہے۔ اور ”قید وساطت“ کو قرآن حکیم نے۔۔۔۔۔ کے نام سے ذکر فرمایا ہے۔ ہاں کسی غیر نبی کی شرح اور توضیح اس استفادہ کرنا اور بات ہے۔ اس کے شخصی افکار کو ”دین“ سمجھنا دوسری بات ہے۔ پس اس فرق کو ملحوظ رکھنے کے بعد، ذہنی الجھن کو دور ہو جانا چاہئے، اسے نباہنا نہیں چاہئے کیونکہ بات دین کی ہے مناظرہ کی نہیں ہے۔

5. حدیث ”لا تزال طائفة“ کا مصداق اہل حدیث کو قرار دینے کو فرقہ پرستی یا دعاوی سے تعبیر کرنا ادارہ کی نا فہمی کی علامت ہے۔ ہم نے اہل حدیث کو بطور ایک فرقہ کے نہیں، بلکہ ایک تحریک، ایک نظریہ اور ایک روح کے طور پر حسب حال مختلف ادوار میں مختلف مناظر کے اندر جاری و ساری دکھایا ہے اور ”لا تزال طائفة من امتی“ کے الفاظ سے اس کو تعبیر کیا ہے۔ یہ تحریک ایک اصلاحی تحریک ہے فریق نہیں ہے لیکن یہ اس امر کی مدعی ہے کہ: اس امت کے آخری طبقہ کی اصلاح صرف انہی چیزوں سے ممکن ہے جن سے طبقہ اولیٰ کی اصلاح ہوئی تھی، ایک اور روایت کے مطابق فرمایا: اس امت کے آخری طبقہ کی فلاح و کامیابی صرف انہی طریقوں سے ہو سکے گی جن سے اس کے پہلے طبقہ کو فلاح نصیب ہوئی تھی۔“ (امام مالک۔) بس اسی ذوق و فراست کی بناء پر وہ ”سنت رسول“ کے احیاء پر مصر ہے۔

یہ وہ امتیازی بات ہے جو دوسرے تمام مروج نظامہٴ اصلاح سے بالکل مختلف ہے کیونکہ یہ تحریک حتیٰ الوسع پہلے انہی ذرائع اور طریق کار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

## بات جتنی سادہ ہے آپ نے اتنی بتنگڑ بنادی

کی طرف رجوع کرتی ہے اور عہد رسالت جو خلفائے راشدین کے مبارک دور میں اختیار کئے گئے تھے اور انکے برعکس اصلاح حال کے لئے ہر جدت طرازی کو بدعت اور سنتہ جاہلیت تصور کرتی ہے الایہ کہ وہ کوئی مادی ذریعہ ہو اور اب اس سے بڑھ کر اور کوئی سائنٹیفک ذریعہ ہاتھ آگیا ہو، جیسے تیر و سناں کی جگہ اب ایٹمی توانائیوں کا استعمال ہے۔ بہر حال یہ تحریک دنیا میں فریق بننے کے بجائے جسم میں ایک روح کی طرف دنیا کی روحانی صحت اور زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے اس کے جسم میں جاری و ساری اور متحرک رہتی ہے۔ اس سے صرف وہ لوگ بدکتے ہیں جو قلب و نگاہ کے اعتبار سے بیمار ہوتے ہیں جیسے دواسے جسمانی بیمار ایک گونہ کوفت محسوس کرتا ہے۔

باقی رہا جناب کا یہ ”وعظ شریف“ کہ عمل صالح سے اپنی عظمت کا سکہ بٹھائیں ہم آپ کے شکر گزار ہیں مگر افسوس! یہ کوئی متنازعہ فیہ بات نہیں تھی جس کی طرف ہمیں توجہ دلائی ہے۔ کیونکہ اس لحاظ سے ہم سب، آپ کے سمیت، اسی ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ خدا ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ